وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۞ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظام عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظام عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ———— اشرف برادرز

ناشر ———— ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ———— وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد ———— ایک ہزار

کتابت ———— مشتاق احمد

قیمت ————

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۴۲۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۷۲۴۲۴۸۵

★ — ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون — ۷۲۴۲۹۹۱ - ۷۳۵۲۲۵۵

★ — موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیادیں کتاب و سُنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصے سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بُنیادی حقیقت مُشتبہ ہو گئی اور وہ مختلف شکوک و شبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا ارتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ و نظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ و موعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیرِ اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطۂ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط و تفریط اور ایک دوسرے کے ردِ عمل کی صُورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدُود دونوں مُشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدُود کو عُلماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کُھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بُنیادی حُکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صُورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بُنیادی حقیقت اور شرعی صُورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف عُلماءِ کرام اور اہلِ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بُنیادیں داشگاف کیں اور شرعی صُورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِّ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اَبنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے اس لیے مَیں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّنِ بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاد دہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرطِ توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علّت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواعِ احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بُنیادی علّت ضرور رہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس عِلّت کی بناء پر وہ حکم شارعِ حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت ، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی عِلّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدارِ حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بُنیادی عِلّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے ، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس عِلّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیرینہ علّت کا دفعیہ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ بس یہ حکم اپنی متعلقہ عِلّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصودِ اصلی ردّاً یا اثباتاً یہی عِلّت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت عِلّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جانے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی علتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال

مثلاً ممنوعاتِ شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی عِلت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مُبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السلام معبوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ مُوسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منا میں مُورتی پُوجا دیکھی اور حضرت مُوسےٰ علیہ السلام سے خواہش کی کہ اُنہیں بھی ایسے ہی برنجی معبُود بنا دیئے جائیں تو اُنہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا۔ شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہٖ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہٖ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال وجواب کرتے وقت بتصریح شراحِ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز نبعض حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف وشہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہو گا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہٖ قبیح ہو گی وہ جیسے دُنیا میں حرام ہو گی؛ جنت میں بھی حرام ہو گی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل وہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امُور سے نفرت ہو گی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہٖ قبیح اور مُنکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سَرکٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنادی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہین تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکم ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حرمتِ سُود کی مثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحب معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدار سُود کا بلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم وغصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادۃ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدار سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حرمتِ شراب کی مثال

یا جیسے شراب کی حرمت علت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے، جس نے اِس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچانیکی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دُوسری نہیں ہوسکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہٖ اس سیّال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکمِ ممانعت بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیّت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیّال مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیّال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیّت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدّل ماہیئت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیّال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہئیت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہرحال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاءِ نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاءِ نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پورا جام وسبو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصہ و جثہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچہ کا نشو و نما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتدبہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدار قلیل کے عدم کا دعوے نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزوی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں۔

قتلِ کلاب کی مثال

اسی طرح ضعفِ علت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کتوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی علت کتے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جوں جوں محبت کم ہوتی رہی، ووں ووں اس حکم کی شدت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبت کم ہوگئی تو یہ حکم سیاہ کتوں تک محدود رہ گیا جب محبت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کُتّوں سے کیا تعلق کہ اُنکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک اُمت ہے اُمتوں میں سے"

اور جب کُتّوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کُتّے کی شکار کے لیے حفاظتی کُتّے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روک دیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبّتِ کلاب کی بناء پر تھا، جُوں جُوں محبّت گھٹتی گئی، وُوں وُوں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علّت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبّت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علّت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علّت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں برملا ایک نر اپنی اور دوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہماشما قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دوسرے لفظوں میں انسانیہ غائب ہو گئی اور یوں کچھ عقل معاش یعنی کمانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غائب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سُست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقفِ عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رُخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھُسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، بہیمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صورت میں نہ مکارمِ اخلاق باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافتِ طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف و منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء وعفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہو جائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لوط ختم ہو گئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوع انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کر لیتی؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حرمت :

اس نے سب سے اول فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللّٰہ یامر بالعدل والاحسانِ وایتاء ذی القربٰی وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)

"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا (القرآن)

"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

اب ظاہر ہے کہ زناکاری کا راستہ ودواعی زنا رہیں اور دواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش و منکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت و پاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تغریبیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں، عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدریجی طور پر اس کی نقل وحرکت کی بے قیدی ہے اور آزادئ نقل وحرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبّہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمت تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

جاہلیّت اولیٰ

آج سے کئی ہزار سال پیشتر حضرت نوح و ادریس علیہما السلام کے درمیانی قرون نیز زمانہ فترۃ یعنی حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی دور میں جن کو قرآن نے جاھلیۃ اولیٰ فرمایا ہے۔ عورت کی بے حجابی و بے قیدی اپنی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ ان قرون میں عورت ایک نمائش اور مفادِ عامہ کی چیز سمجھ لی گئی تھی، اس کی حیثیت کسی مخفی خزانہ کی سی نہ تھی، جو صرف اپنے ہی حقدار کے کام آسکے بلکہ ایک دفینی دولت کی مانند تھی، جس سے ہر کس وناکس ہر حالت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا، زیور و پارچہ اور عطریات سے آراستہ ہو کر گھر کی چار دیواری سے باہر نکلتی، مستانہ چال ڈھال اور ناز و انداز سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی، پھر اس بیرونی زینت و نمائش کے ساتھ ساتھ اعضائے بدن کی عریاں حیثیت اور تمام محاسن جمال نگاہ بازوں کے سامنے پیش کرتی تھی اور اس طرح ایک عورت اپنے شوہر اور عاشق کے درمیان بیک وقت استعمال کی جا سکتی تھی۔ غرض عفت وستر اور عصمت و پاک دامنی کی حقیقت سے ہی نہیں بلکہ صورت سے بھی نا آشنا ہو کر ہر اس تلذّذ سے جو عورت کے ذریعہ مرد حاصل کر سکتا تھا۔ مرد کو مستفید کرنے میں اس بے حجاب عورت کو دریغ نہ تھا۔ رحم ماضیہ کی ان ہی ناجائز نمائشوں محسن فروشیوں اور فحش کاریوں کو قرآنِ کریم نے تبرج جاھلیۃ کے عنوان سے ظاہر فرمایا۔

جاہلیتِ حال

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بے حجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیرِ زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خرُوج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ؏

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلاشبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دلربایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کر لیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبرگیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ دسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ رجولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہوگی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

" ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی "

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

" شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں "

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات اُنکے اصُول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امُور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دو سو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے :۔

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پُوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پر بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے" ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:-

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے. خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:-

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے. عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعباب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرورکن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۰۱)

مسٹر جارج ایلین اینڈ الون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :-

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی، استعمالی سامانوں کی نہیں، انتخابِ حسن کی کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس ملک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس ملک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے، اور نہ صرف اعضاء حسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بلکہ اعضاء شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گوری، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ان "مشتے نمونہ از خروارے" اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایام کے ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی زد میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگاکر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جا رہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدن ہے جس کی طرف "مُدعی سُست گواہ چُست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بُلا رہے ہیں یہ مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جا رہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہوگئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا روایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیت اولٰے اور اس جاہلیت اُخری کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادّی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیت و قومیّت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعیِ زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبوی ہے :-

اِنَّ الْمَرْاَۃَ عَوْرَۃٌ مَسْتُوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور کبھی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کردیگا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبوی میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ اُمَّتِی الْغَزْلُ ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادئ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۔ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ سرگرمیوں میں نہ پڑیں"۔

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کے ساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندئ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو"۔

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا رد و بدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآن کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

واذا سالتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب ذالكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن ؕ

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی با تنوین لا کر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدّن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثل حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مطالبات وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاعِ خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاء قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہرحال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم سترِ اشخاص کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

اس درجہ میں تو شرعاً ایک مرد بھی مستورات میں داخل ہے، بلکہ گھر کی چہار دیواری میں رکی رہے۔ البتہ خاص خاص احوال اور مخصوص ضروریات مثلِ سفرِ حج، زیارت والدین، عیادت اقربا، تعزیتِ اموات، شرکت تقریبات کے لیے عورت کو باہر نکلنے سے روکا بھی نہیں۔ مگر اس پر قیود و شرائط اس قدر عائد فرما دی ہیں کہ قدرتی طور پر اس نقل و حرکت کا وجود قلیل رہ گیا ہے، نیز اس قید و بند کو ظاہر کر کے شریعت نے اپنے حقیقی منشاء پر بھی مطلع فرما دیا ہے کہ وہ عورت کو باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی اجازت بحالت مجبوری ہی دے سکتی ہے۔

مثلاً سفرِ حج کی اجازت تو دی کہ وہ عبادت فرض میں سے ہے۔ لیکن محتمل فتنوں سے بچنے کے لیے بطور پیش بندی معیت محرم کی شرط لگا دی۔ ارشاد نبوی ہے۔

معاشرتی قیود : لا یحل لامرأۃ أن تحج الا ومعها زوج او محرم

"کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ بلا خاوند یا کسی محرم مثل باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ کے حج کرے۔" (معجم طبرانی)

اسی پر سفرِ عیادت، سفرِ تعزیت، سفرِ زیارت اور سفرِ شرکت تقریبات کو بھی قیاس کر لیا جائے۔ جبکہ سفرِ عبادت میں قیود و شروط کے ذریعہ تقلیل فرما دی گئی، جو کہ لوجہ النفس نہیں، لوجہ اللہ کیا جاتا ہے۔ تو سفرِ عادت میں تو ایسی تقلیل اور بھی زیادہ قرینِ مصلحت ہونی چاہیئے کہ اس میں نقل و حرکت عموماً دنیوی اور پوری آرائش کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس جو فتنہ سفرِ عبادت کی سادگی میں محتمل ہے وہ سفرِ عادت کی رنگینیوں میں زیادہ سے زیادہ واقع ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ پھر سفر کی طویل نقل و حرکت پر ہی نہیں، شریعت نے مقامی نقل و حرکت مثل نماز جماعت اور حاضری مساجد تک

یہ قیود و بند عائد فرما دی کہ اُس میں بھی وہی مردوں کے باہمی اختلاط کا خطرہ اور فتنۂ شہوات کا ظہور ممکن تھا۔

پھر حج کی عبادت تو بہر حال سفری تھی، لیکن حاضری مساجد تو مقامی نقل و حرکت ہے جسے سفر بھی نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس پر بھی اس درجہ قیود عائد کی گئی ہیں کہ وہ قدرتی طور پر قلیل ہوتے ہوتے بمنزلہ معدوم کے ہو گئی ہے۔

حضرت ام حمید ساعدیہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری پسند خاطر یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کیا کروں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

عبادتی قیود:

فقال قد علمت وصلوتك في بيتك خيرٌ لك من صلوتك في حجرتك وصلوتك في حجرتك خير لك من صلوتك في دارك وصلوتك في دارك خيرٌ لك من صلوتك في مسجد قومك وصلوتك في مسجد قومك خيرٌ لك من صلوتك في مسجد الجماعة۔ (مسند احمد)

"میں نے سمجھ لیا، پس بات (مختصر) یہ ہے کہ تیری نماز تیری گھر کی کوٹھڑی میں افضل ہے، گھر کے دالان سے اور دالان میں تیری نماز افضل ہے عام صحن کی نماز سے اور عام صحن کی نماز بہتر ہے گھر کی مسجد کی نماز سے، اور گھریلو مسجد کی نماز تیرے لیے افضل ہے مسجد محلہ میں نماز پڑھنے سے"۔

(مسند احمد)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے چند بلیغ جملے جو انہوں نے اپنے رسالہ "حجاب شرعی" میں تحریر فرمائے ہیں، اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کُل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمّتِ محمدیہ کے لیے غضِ بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلےٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہُوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتدار میں، اتقیاءِ اُمّت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی عِلت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخمِ فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے۔"

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

" اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھنّ "

" جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں :-

" لاتمنعوانساءکم المساجد وبیوتھن خیرلھن "

" عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر د باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دُوسری روایت میں زمان صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضو افشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکیٔ شب کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"۔

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد) "اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابُو مُوسےٰ رضؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وان المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ ۔ (رواہ الترمذی)

"عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے"

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہلِ جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی ۔ حدیث ابوہریرہؓ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

لا تقبل صلوۃ امرأۃ تطیبت للمسجد حتیٰ تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)

"ایسی عورت کی نماز نہیں ہو گی جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی جبتک وہ غسلِ جنابت نہ کرلے ۔"

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی ۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے، جلب منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے :-

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ ناز انداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبویؐ ہے :- انھوا نساء کم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور ناز و انداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشاد حق ہے :-

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم اظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا :-

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگار نہ کھولیں (یعنی کسی کو نہ دکھائیں) اِلّا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشاد الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن ۔ (القرآن الحکیم)

"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون

"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن

"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیث نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زناء العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا، نگاہ بازی ہے"

اگر دور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غض بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۔ "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے"
(ابو نعیم فی الحلیہ)

پھر اگر مجبوراً اثناء راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی اُنس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا

"تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو۔

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

عاداتی امور میں، نہ عباداتی امور میں، مثلاً جنازے کے ساتھ جانے سے عورت کو روکا گیا، حالانکہ جنائز کے ساتھ سرد مہری اور غم والم کے اوقات ہیں جنمیں ہیجانِ شہوت بعید ہے مگر مستقبل کے احتمالات و خطرات کا سدِ باب کرنے کے لیے ارشادِ نبوی ہے :-

لیس للنساءِ فی الجنازۃ نصیب (طبرانی) "جنازہ کے بارے میں عورت کا کوئی حصہ نہیں"۔

لیس للنساء فی اتباع الجنازۃ اجر (فی روایۃ البیہقی) "جنازہ کے ساتھ چلنے میں عورت کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔

یا مثلاً کسی کا جھگڑا چکانے کے لیے عورت حکم اور ثالث بن کر نہ کھڑی ہو۔ ارشادِ نبوی ہے :-

لاتکون المرأۃ حکما تقضی بین العامہ (مشکوۃ) "عورت ثالث نہ بنے کہ عوام الناس کے جھگڑے چکاتی پھرے"۔

ادھر مردوں کو جب کہ وہ رہگذر پر اتفاقاً عورتوں کے ساتھ جمع ہو جائیں، ہدایت فرمائی گئی کہ عورتوں کے بیچ میں نہ چلیں کہ یہ حیاء سے بعید ہے، بلکہ الگ ہو کر چلیں۔

ارشادِ نبوی ہے :-

ینھی ان یمشی الرجل بین المرأتین (مشکوۃ ص ۲۵۵) "حضور نے منع فرمایا کہ مرد دو عورتوں کے درمیان ہو کر چلے"۔

پھر ان بیسیوں قیود و شرائط کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی یہ عورت جب مسجد پہنچ گئی تو خدا کے دربار میں بھی جبکہ قلوب تھوڑی دیر کے لیے مادی ظلمتوں سے ہٹکر روحانیت میں مست ہو جاتے ہیں اور بظاہر شہوات کی طرف طبیعتوں کا کوئی التفات

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :۔ "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف، صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف سب سے اگلی صف ہے"۔

خیر صفوف الرجال اولہا و شرہا اٰخرہا وخیر صفوف النساء اٰخرہا وشرہا اولہا۔ (مشکوٰۃ شریف)

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اسوقت تک اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ سے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں ، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :۔

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنھا لا تخلو عن ارتکاب محرم و ھو قیام الامام وسط الصف فلیکرہ کالعراۃ و لأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلن قامت الامام وسطھن۔ ہدایہ جلد اوّل

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھ کر کھڑا ہونے کا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

صـــ۱۱۰

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاؤں کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نسا، کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیجئے تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترِ حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کسقدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئ بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہیئت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے۔ ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آ پڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آ جائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آ جائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آ جائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ و مخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حسّی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی و ذاتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے خواہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہاءِ ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جُلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر سے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں۔ آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قد و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامت سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازت جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دُوسری صُورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہو گا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہو گا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہیئت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہیئتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا بھی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہیئت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں اُبھری ہوئی اور اُوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہئیتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہئیتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہئیتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصّہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیّت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاءِ نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فسادِ صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کُھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کُھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جُداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظہ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور منشرح ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہر حال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئی تھی جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّتِ امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفرادو تنہائی رغبتوں کو اُبھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعث رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفرادو تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شان امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ اُبھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدتِ توجہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیاتِ قابل التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آجانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محل نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے با حجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفرادِ محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہئیت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعثِ صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفرادِ محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہو گا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہو گی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات رادمات سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعث رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعث رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ باجمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد واجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد واجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ:۔

بلاشبہ باعث رغبت دکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہو گا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللہ الحمد

بہر حال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجتماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعزم حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا دمنع بے حجابی ہو گا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت وممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ ان میں سے کوئی امامتِ صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر کے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

بذاتہ غیر مؤثر ہونا ابھی ظاہر کیا جا چکا ہے۔

غرض فقہاء دین کا یہ نظریہ بے غبار ہے کہ عورت کا امام بن کر صف سے آگے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے کہ اس میں مؤنث امام کے لیے بے حجابی اور زیادہ کشف پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جبکہ فقہاء کے نزدیک اس ہئیت بے حجابی سے بچانے کے لیے ایک دوسرے مکروہ تحریمی (امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا) کو گوارہ کیا جا سکتا ہے تو سمجھ لو کہ ان دانایانِ دین کے نزدیک خود عورت کی بے حجابی کیا درجہ رکھتی ہو گی؟ ظاہر ہے کہ مکروہ تحریمی سے اوپر صریح حرام ہی کا مرتبہ ہے۔ اس لیے ہدایہ کے اس جزیہ سے حجاب کے بارے میں فقہاء کے مسلک کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ جو تصریح سے زیادہ ابلغ ہے۔

بہرحال عورت کی نماز کے کسی پہلو کو خواہ وہ انفرار کا ہو یا باجماعت کا اور حاضریٔ مساجد کا ہو یا گھروں میں نماز گزارنے کا، شریعت نے حجاب نسواں کی رعایت سے خالی نہیں چھوڑا اور کسی پہلو میں بھی گوارا نہیں کیا کہ زن و مرد کے واقعی یا احتمالی اختلاط کی کوئی بھی شکل پیدا ہو، پھر حجاب کی رعایت، عبادات حج و نماز کی طرح دوسری عبادات مثلاً اعتکاف میں بھی فرمائی گئی اور عورت کے لیے جائز نہیں رکھا گیا کہ وہ مساجد محلہ میں اعتکاف کرے۔ حتیٰ کہ شریعت کی دقیقہ رس نظر نے صنفِ نازک کی ذاتی اور فطری محجوبیت کو کھولتے ہوئے اسی پر بس نہیں کی کہ عورت کے حجاب کا دائرہ اس کی زندگی ہی تک محدود رہے بلکہ اس مُردہ عورت کو بھی ستر و حجاب میں چھپائے رکھنے کے احکام صادر کیے جو نہ محل شہوت ہی رہتی ہے نہ محل جذب و کشش

یعنی جس طرح مرد کی ستر پوشی سے کہیں زائد زندہ عورت کی ستر پوشی میں مبالغہ کیا ہے۔ اسی طرح مردانہ لاش کی کفن پوشی سے کہیں بڑھ کر زنانہ لاش کی پوشش میں اہتمام دکھلایا ہے۔ مرد کے لیے اگر مسنون کفن کے تین کپڑے رکھے ہیں تو عورت کے لیے پانچ۔ مرد کے جنازہ پر اگر سب سے اُوپر ایک لانبی چادر ڈال دینا کافی سمجھا ہے تو عورت کے جنازہ پر اس چادر کے ساتھ پردہ کا گہوارہ بھی ضروری قرار دیا ہے جس سے لاش کے طول و عرض کی حیثیت نہ کھل سکے، مرد کو دفن کرتے وقت کسی آڑ پردہ کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن عورت کی تدفین میں قبر پر پردہ تاننا ضروری قرار دیا۔ مرد کو ہر بیگانہ و بیگانہ قبر میں اُتار سکتا ہے، لیکن عورت کے لیے محرم کی قید لگائی۔ مرد کی نمازِ جنازہ کے لیے امام کو میّت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا بتلایا گیا، لیکن عورت کے جنازہ پر سینہ سے کچھ ہٹ کر وسط میں آجانے کی ہدایت ہے کہ سینہ کی وضع فطری محلِ کشش ہونے کی وجہ سے مردانہ نگاہ کے بالکل مقابل رہنے سے بچاؤ چاہتی ہے اور گو اب گہوارہ میں مستور رہنے کی وجہ سے نگاہ سے دُور رہے مگر آنکھ کے محاذاۃ میں آجانے کے خیال سے اب بھی قریب ہو سکتی ہے۔

اور جبکہ عباداتِ حج، نماز، اعتکاف وغیرہ میں جو ایک بے خودی اور بے نفسی کا پاک مشغلہ ہے۔ اس درجہ عورت و مرد میں دوری اور بعد قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تو خود اندازہ کر لو کہ معاشرت میں جو اپنی حقیقت و اثرات کے لحاظ سے ایک گونہ نفسانی مشغلہ ہے اور نفسانیات کو اس میں بہت جلد حرکت ہو سکتی ہے اس اختلاط کو کس طرح گوارہ کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:-

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء عن دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمادیا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی وابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس پھر ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حسی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل طهور المرأة،	وہ ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"! (ترمذی جلد اول ص۹)

گو یا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاءِ دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے سترِ خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محل شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :۔

لا ینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لا یناسبه ملاحظة النساء لتوجه الخاطر الیهن (ھدایہ جلد اول ص۱۰۱)

"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شارح اس کی حقیقت اور لم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے"۔

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہر حال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب و شہادت کا قانون غیب و شہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے ۔ اور ہے ۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے ۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم و تہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں ۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات مع خیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت و عبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی ، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانیکا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی عکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو ، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا ، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی ۔ پھر ستر زینت کے لیے فرمادیا ، پھر ستر عوارض یعنی بُو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا ۔ پھر ستر نگاہ بتایا ، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا ، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی ، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرمادی گئی ، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جاسکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں۔ کیوں؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخری کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیاداراتہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں، سیر گاہوں، جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیت اور کہاں وہ مسلمانہ تموجِ حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجا لہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہَوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتداً ہی نہیں آگئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا اندیشی سے ... غیر محسوس ... لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنف نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادیٔ خیال نے حجاب خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاء حسن کو بے نقاب کیا، سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :۔

"فرانس اور جرمنی میں مادرزاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیر باد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عُریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہُوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ر مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حیائی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دینِ الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے اہتدار میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود ازلوی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی ازلوی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کر دے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھُوٹ پھُوٹ کر رو دیئے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اِس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکار شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھُلے کھُلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھُل کھُل کے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلدہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی بھٹکنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیروکار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور انہیں اس مخرّب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدود خانہ اور قیود خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرّب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آرہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حدّ و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعتِ شوہر، گھریلو زندگی، اقربار سے پاک محبّت وسلوک، حیاء وعفت اور شرم وپاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر وتفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلّفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُرّیت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوّت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خُود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاک دامن ہیں اور ایسی
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي	باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ط	(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعون دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عادتاً موضع تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسُو اپنی چار دیواری میں حیا و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرمادیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضع تہمت میں تہمت لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

قابلِ لعنت ہیں تو یہ متہم عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

اس سے دوسرا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی یہ مدح فرمودہ بے خبری اور غفلت ان کے حق میں موضع مدح اور رفع تہمت کا ذریعہ ہے تو اس کے مقابل کالجوں، اسکولوں اور کلبوں سے حاصل کردہ باخبری، بیداری اور روشن خیالی بلاشبہ مذموم اور موضع تہمت ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر یہ دونوں متقابل اوصاف قابلِ ستائش ہوں تو یہ تخصیصِ ذکر اور تخصیصِ مدح عبث ٹھہر جائے گی۔

پھر اسی سے تیسرا نتیجہ خود بخود یہ بھی نکل آتا ہے کہ لڑکیوں کے حق میں اس قسم کی بیداری پیدا کرنے والی اجتماعی تعلیم گاہیں اور اجتماعی پلیٹ فارم بلاشبہ وسائل تہمت اور ان اسبابِ تہمت کو "تعلیم نسواں" کے نام سے مہیا کرنے والے ان کے دوست نما دشمن ہیں جو انہیں انجام کار بد اخلاقیوں کی راہ پر لا رہے ہیں۔

اس سے چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جو عورت اپنی خلقت اور ساخت کے لحاظ سے پاکدامنی کے دائرہ میں حوادثِ عالم اور نفسیاتِ رجال سے بے خبر ہے اور بے خبر رہنا ہی اس کے حق میں صفت مدح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ عورت اس بے خبری اور بے شعوری پر کب یہ منصب رکھتی ہے کہ وہ تمدنی قانون سازی میں حصہ لینے کی حقدار ہو اگر حصہ لے گی تو اس کی نفسیات سب سے پہلے خود اپنی آزادی کو ملحوظ رکھ کر قانون بنائے گی اور اس کی آزادی کے وہ نتائج ہیں جو ابھی سامنے لائے گئے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ عورت کی شرکت سے بنا ہوا قانون سیہ کاریوں کی تخم ریزی کافی حد تک کر سکے گا جو انجام کار تخریب عالم کا باعث ہو گا۔

چنانچہ یورپ اپنی عورت کو آزادی اور حق قانون سازی دے کر قانوناً اور

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔ "جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عند اللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ:۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط

"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دُور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا مغز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے ان کے قلوب میں جذبات صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء و اقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعت اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آ کر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمارِ تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹ آرلا ہور لکھتا ہے کہ :۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آ کر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مُدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیث دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہر حال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیاء کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

پردہ پر پہلا اعتراض اور اُس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی دداعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد معترتیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند با اگر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا۔ کیونکہ مجربہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر اُنہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان نتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آجائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیتہ ہی ترکِ معصیتہ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرصِ مزید کے ساتھ اس پر اور قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھالیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمنٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھا رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مورّخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلا شُبہ جرائم کے کرتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایک دوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوےٰ کہ :۔

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِّ باب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِّ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِّ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِّ باب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہرحال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جُرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شئے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غضب وظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوا وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلا دیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہو سکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑکر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا۔ کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؟ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کُود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں؛ بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم و یقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاحی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذتوں کی ناپاکی و خباثت اور روحانی مضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انقصادیوں کے

اس بے بنیاد وہم کی بنیاد تھی، کلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجاب نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ، نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیئے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہر حال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیئے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طول قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حدِ ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہتی ہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہی اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھر دں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہرحال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تامشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشتکار کھیت کے رقبہ میں مقید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قُلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیسؔ گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و بر باد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصُول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہوا ہے۔ اس کی طبعی حدُود سے نکال کر کچھ مافوق المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کار و بار سے معطل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی اپنی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخلِ طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصّہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصّہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی قید و بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابیٔ صحت اگر کسی حد تک تسلیم کر لی جائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔

یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاءِ شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہوگا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیلِ رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پہ ہر وقت یہی بار ہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلافِ دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

ہیجان بھی ہر وقت مسلط نہ رہتا تھا۔ قلوب سکون اور جمعیت و یکسوئی لیے ہوتے تھے اس لیے مادۂ باہ اپنے مرکز پر جاگزیں تھا، وقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت استعمال میں آتا تھا۔ خرچ کی نسبت جمع زیادہ تھی اس لیے طبیعت قوت لیے ہوتے تھی۔ طبیعت مدبرہ کو بدن کی تربیت و نگرانی اور نشو و نما دینے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ آتے تھے اور ظاہر ہے کہ اندر سے طبیعتِ مدبرہ کا قوی ہونا اور باہر سے بدن کا مضبوط ہونا قدرتی طور پر صحت کا ضامن اور امراض کے لیے مانع تھا اور بجز موسمی حملوں سے خود طبیعت کے ضعف سے امراض کا ہجوم نہ تھا۔ اسی لیے قویٰ مضبوط قد و قامت دراز اور عمریں طویل تھیں۔ لیکن آج بالکل اُس کے برعکس قصہ ہے۔ پس کیا اس سے یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ آج کی بے حجابی اور آزادی ہی سارے امراض کی جڑ ہے۔ اور اُدھر حجابات (جو ظاہر میں پردہ کی شکل رکھتے ہیں) اور باطن میں عفت و عصمت اور تقوے و طہارت کی ہیئت لیے ہوئے ہیں، ساری صحتوں کا منشا رہیں، اس لیے ممکن نہیں ہے کہ صحتِ عامہ اور قوتِ قویٰ بغیر حقیقی حجاب قائم کیے ہوئے ٹوٹ سکے۔

بے حجاب اقوام کی صحتیں بھی درست نہیں

رہا آزاد اور بے حجاب قوموں کی صحت کا اچھا نظر آنا، باوجودیکہ وہ بے حجابی اور بے حیائی، بلکہ برہنگی کی بھی ساری منزلیں طے کر چکی ہیں سو یہ اس پر مبنی نہیں کہ ان کی صحتِ عامہ درست ہے بلکہ کچھ اس پر کہ ہماری آنکھوں کے سامنے

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگی اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عام آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت و سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کہ آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رُو سے سراسر غلط اور ایک ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور اُن کی کھُلی اور چھُپی بیماریوں کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ اقوام نہ صرف بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دُنیا کی بنی ہوئی صحتوں میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مرضیلے جراثیم کی نحوست اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدّن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوتِ مردمی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ انقلاب لاہور جلد ۲ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو، جن کی حسین

عورتیں قابل اور مردمیت رکھنے والے شوہروں کی تلاش میں در بدر بھٹکتی پھرتی ہیں مگر وہ شوہر نہیں ملتے جن میں رجولیت رہ گئی ہو اسی لیے تاہنوز ماری ماری پھرتی ہیں۔ جرمنی میں فی ہزار ۳۵ عورتیں، قابل شوہروں کی متلاشی ہیں۔ ہسپانیہ میں فی ہزار ۴۴، بلقان میں فی ہزار ۵۰، سوئیٹزر لینڈ میں فی ہزار ۵۶ انگلستان میں فی ہزار ۵۹، فرانس میں فی ہزار ۶۰، جنوبی امریکہ میں فی ہزار ۱۵۹ ہے۔"

یہ نہیں کہا گیا کہ ان ہزار ہا عورتوں کو شوہر دستیاب نہیں ہوتے بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسے شوہر نہیں ملتے جن میں مردمیت ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ یورپ میں لاکھوں ایسے انسان موجود ہیں جو ضعفِ باہ یا امراضِ باہ میں گرفتار ہو کر اپنی باہی قوت کھو چکے ہیں اور نسل جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے اور نہ ان کی صحت ہی اس درجہ کی رہی کہ کسی تدبیر کے ذریعہ اپنی مردمی کا اعادہ کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بلاشبہ آزادانہ تعیش اور بے حجابانہ عیش کوشی ہی کا ہے جس نے مردوں کو نامرد اور عورتوں کو مایوس کر رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی محروم شوہر عورتیں کیا نہ کرتی ہوں گی اور کیا کچھ امراضِ خبیثہ کا شکار نہ ہوئی ہوں گی؟ جماع بے تحاشا کا سب سے گہرا اثر دماغ اور قوائے دماغ پر پڑتا ہے، آنکھیں اور بینائیاں اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ آج ان تمدن آزاد آبادیوں کا بلحاظ بصارت کیا حال ہے جو عورت و

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :۔

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :۔

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۵ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیا کے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

چشم ہی کے اعداد و شمار قابلِ ذکر نہیں بلکہ عام دماغی فتور اور دیوانگی میں اس سے بھی زائد یورپ کو ترقی کرنے کا موقع ملا ہے۔

نیوز آف ورلڈ لندن، ۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء رقمطراز ہے کہ :۔

" فتورِ عقل و دماغ میں دیوانے مریضوں کی ترقی پچھلے چھ سال میں ۲۵۴۰ سے کر کے ۲۲۵۶۱ تک پہنچ گئی ہے اور سالِ رواں کے شروع میں ۱۳۸۲۹۳ تک ہو چکی ہے، یہ مقدار سالِ گذشتہ کے مقابلہ میں ۲۴۰۳ زائد ہے "

(اخبار سچ ۹ نومبر ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر امراضِ باہ اور امراضِ دماغ ہی پر بس نہیں بلکہ اس قومی ضعف و انزال کے سبب ولادتوں میں جو انحطاط و تنزل پیدا ہوتا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ان متمدن آبادیوں (مغربی ممالک) نے اپنی آزادی اور عیاشی کی بدولت جسمانی تنزل اور ناکامئ حیات میں جو ترقی کی ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں اور جسطرح کوئی ایشیائی خطہ اسکا مقابلہ بے حیائی میں نہیں کر سکتا، اسی طرح بے حیائی کے ان نتائج میں بھی نہیں کر سکا۔ پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

" فرانس کی سرکاری کونسل (چیمبر آف ڈیپوٹیز) کے ایک ممبر نے ۲۹ نومبر کو اپنی مدلل و مفصل تقریر میں بیان کیا ہے کہ فرانس کی آبادی جس تیز رفتاری کے ساتھ گھٹ رہی ہے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ روز کے بعد ملک میں نہ فوج کے لیے کوئی سپاہی ملے گا، نہ جہاز رانی کے لیے کوئی ملاح اور نہ جوتنے کے لیے کوئی کاشت کار "

اس تقریر کا حوالہ دے کر ایک اطالوی مضمون نگار لکھتا ہے کہ :۔

"خود اطالیہ کا کیا حال ہے؟ ۱۹۲۹ء میں جتنی ولادتیں ہوئیں وہ ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں بقدر ۲۹ ہزار کم ہیں، اگر اسی شرح سے آبادی گھٹتی رہی تو جو حال اس وقت فرانس کا ہے وہی بلکہ اس سے بدتر اٹلی کا ہو کر رہیگا۔"

آگے چل کر پھر یہی باخبر مضمون نگار لکھتا ہے کہ :۔

"اکیلے اٹلی پر موقوف نہیں فرانس اور جرمنی بلکہ یورپ کے سارے ہی مغربی علاقوں کا یہ حال ہے کہ دیہات اُجڑتے جاتے ہیں اور دیہات کی ساری آبادی کھنچ کھنچ کر بڑے بڑے شہروں میں چلی آرہی ہے اور یہی شہری آبادی اس نسلی اور قومی خودکشی میں پیش پیش ہے۔"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس عیاشی اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ امراض نے جہاں پیدائشوں کی تعداد گھٹا دی ہے، وہیں اموات کی تعداد بھی بڑھا دی ہے۔ چنانچہ "ڈیلی ایکسپریس لندن ۲۸ر اگست ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :۔

"۱۹۲۷ء میں برطانیہ کی شرح پیدائش فی ہزار ۶ء۱۶ یعنی ہر سال سے کم رہی اور شرح اموات فی ہزار ۳ء۱۲ یعنی ہر سال سے زیادہ رہی۔ انتہی

یورپ کی بے حجابی اور آزادی نے آخر ان بے حجاب مرد و عورت کو کہاں پہنچایا ہے؟ کیا اسی قوت و توانائی کی طرف جس کے راگ پردہ شکنوں کی طرف سے الاپے جاتے ہیں، استغفر اللہ یہ بے حجابی اور گھروں سے آزاد باشی عورت کی صحت

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتورِ عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اودھے پڑھنے والے ابھی تک اسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں:۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۶۱۸۳، بخار سے ۴۰۰۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ / نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ:۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسطاً عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک یہی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوےٰ کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلےٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دَور میں بھی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

اس قسم کے غلط نتائج لوگ اُن کی ظاہری شوخی وشنگی سڑکوں اور تفریح گاہوں میں بے حجابانہ اُچھل کود، جہالت ونخوت آمیز جرأت وجسارت اور آزادی و آزاد روشی کو دیکھ کر نکال لیتے ہیں، حالانکہ قوت وصحت اور چیز ہے اور اس قسم کی بے حجابیاں اور شوخیاں اور چیز۔ ساتھ ہی بڑی وجہ اس قسم کے خیالات قائم کر لینے کی یہ ہے کہ ان کی ہر بد سے بدتر خصلت کی پُشت پر شوکت وحکومت کی نمود ہے، جو عامۃً مفتوح اور غلامی زدہ قلوب کو مرعوب کر لیتی ہے، ان کی کمزوریاں دامنِ حکومت میں چھپی ہوتی ہیں اور مفتوحوں کی خوش ادائیاں بھی غلامی کی بوسیدہ اور سڑیل قبا میں بدنما دکھائی دیتی ہیں، اس لیے عامۃ الناس کے خیالات کی رَو اس شوکت سے مرعوب ہو کر اسی طرف بہہ نکلتی ہے کہ انہی کے جذبات اچھے۔ انہی کی صحت اچھی، انہی کی قوت اعلےٰ، اور انہی کی ہر ادا تہذیب وشائستگی سے بھرپُور ہے۔ حالانکہ دانا قلوب کے نزدیک محاسن جہاں بھی ہوں محاسن ہیں۔ اور بُرائیاں جہاں بھی ہوں، برائیاں اور عیوب ہی ہیں۔

بہر حال اعداد وشمار سے ظاہر ہو گیا کہ ان پردہ شکن اور آزاد قوموں کی صحت اور اندرونی حالت یا غیر نمائشی زندگی سب سے زیادہ بدتر اور قابلِ نفرت ہے اور جبکہ پردوں سے باہر نکل کر اور ہر قسم کی آزادی سے مُستفید ہو کر بھی یہ قومیں امراضِ عامہ کا شکار ہیں اور کسی طرح صحت وقوت کی اس بلند سطح پر نہ پہنچ سکیں جس کے بلند بانگ دعاوی سے آج گنبدِ عالم گونج رہا ہے تو پھر آخر ان بے حجابیوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ اور پردہ داروں کو پردہ نے کیا مضرت پہنچائی؟ بلکہ الٹا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار ہا وہ امراضِ خبیثہ جن سے اس مرز وبوم کے

باشندے کبھی بھی آشنا نہ تھے۔ ان ہی پردہ شکنوں کی بدولت ان میں اسی حد تک سرایت کرتے چلے جا رہے ہیں، جس حد تک ان کی آزادی کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ پس ہم اس منطق کے باور کرنے سے معذور ہیں کہ پردہ شکنوں ہی کے طفیل میں تو نئے نئے امراض عالم میں تقسیم ہوں اور پھر بھی صحت و تندرستی کے ضمانت دار وہی پردہ شکن رہیں اور ادھر پردہ داروں کی بدولت صحتِ اخلاق قائم رہ کر صحتِ بدن اپنے کمال کے ساتھ قائم رہے، مگر پھر بھی امراض کے ذمہ دار وہی پکارے جائیں۔

اصل یہ ہے کہ حریقِ وسینہ اور شوکت پسند طبیعتوں میں غیر اقوام کی بے حجاب عورتوں کی شوکت و زینت اور خود اپنی شہوت یہ بے حجابی پیدا کر رہی ہے جس پر اصول کا پردہ ڈال کر اسے پردہ میں پیش کیا جا رہا ہے ورنہ یہ بے حجابی ان اصولی رنگ کی وجوہات پر مبنی نہیں جو ظاہر کی جا رہی ہیں، بلکہ خود یہ وجوہات اس خیال بے حجابی پر بطورِ نکات بعد الوقوع قائم کر لی گئی ہیں اور ہمیشہ کج روشی کا یہی رویہ رہا ہے کہ نفسانی خواہشات کو اصول کا جامہ پہنا کر موردِ عام پر لایا گیا ہے تاکہ نفسانیات کا عیب ان پر کھلم کھلا نہ لگایا جا سکے۔ لیکن ملمع سازی دیرپا ثابت نہیں ہوتی ہے اور انجام کار حق و صداقت ہی کا علم بلند ہو جاتا ہے۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاھق (القرآن)

الحاصل یہ دعوے ایک بے حقیقت نمائش رہ جاتی ہے کہ پردہ مُضرِ صحت ہے اور بے حجابی معینِ صحت، خود مدعیوں کے اعمالنامے اس دعویٰ کو رد کر دیتے ہیں اور انہیں کے اقراروں سے اس کی تکذیب نکل آتی ہے۔

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلمو قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کرلو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل بتلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضرِ صحت، مُضرِ معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً ونقلاً وتجربتہً ومشاہدتہً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل و کمال کی بہتات اور اُسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کردیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطورِ ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن و سنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزارہا علماء جو مرد تھے، انکے علم و عرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کرکے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے تفضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانحِ عمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل و کمال کو لسانِ نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقہیہ کا املاء کرا رہے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون کذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اُوپر کے طبقات میں ازواج مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر ہنج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہوگئیں کہ بڑے بڑے علماء اور صحابہؓ پسِ پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علومِ نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آگیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصبِ نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپؐ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابنِ نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلےٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلےٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علمِ طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفتہ میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں اُنہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبّادِ زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابنِ عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبولِ بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے عُلماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزار ہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوع کو مات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالمات کی سوانحعمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گزری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدۂ شاہ سُلیمان کی مصاحب خاص اور حُسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کرلیگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زَر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
مَن از دہنِ مار شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعداللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس پر پرواز کرکے عرش تک پہنچا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہو جاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشید آں شیرِ نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہینِ منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاء وقت تھیں اور مرد اُن سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنفِ نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہُدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیور علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور رفعہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہوگا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعثِ جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعثِ علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ :۔ "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اُسکے قلب میں وہ علم و معرفۃ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہوگا (اوکما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بدنگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردۂ حجاب تھا جو اپنی حدود پر قائم تھا تو علم و معرفۃ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء، عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشوونما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے :۔

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی ... فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہ ... ونور اللہ لا یعطیٰ لعاصی

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوٰے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم وعرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمدللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلےٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بے پردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصُوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دیگئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنےٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بمدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دُوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بمدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِّ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاء خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاءِ حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جدا کر کے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلطِ مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو کھُوش رو چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنےٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر باہر، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:۔

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو۔"

(۶) بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تاکہ اُنہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذارسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حِصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہو گیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پَردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انھوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جا سکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے اوناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنےٰ کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شُبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دُوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصّہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کُھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شُبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کُھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دُوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادۃً وہاں شہوانی جذبات کے اُبھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مُبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنیٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ اُبھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں اُبھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علّت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پرامن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

"بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے"۔

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب و سنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود و قیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداء تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

❖

پردہ جزوی یا کلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہو گا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔

نوعمر اور نابالغ بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آ جائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی مامائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں جو عام حالات میں کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنّہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہُوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں رہتیں۔ ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنّہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت و بموجودگی اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنّہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

تو جس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی مظنّہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اڑ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اولین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہو گی؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہو گا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آ سکے گا؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہو گا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویہ، باندی، منگیتر اور معبوثہ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہو جانے سے مرتفع ہو جاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جیسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غض بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذّت لینا اور تمنّا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیّل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محل فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفّت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اُڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذ العمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ وسماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پسِ پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دُور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق اُبھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسب ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذالعمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا۔ غرض ہنگامی احوالِ فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

پردہ کی علّت کے معیار سے تین نقطہ ہائے نظر

بہر حال پردہ کا یہ نظام جس کی شرعی تفصیلات پیش کی گئیں اپنے جزو کل میں اسی علتِ فحش کے تابع ہے۔ خود بذاتہ مقصود نہیں۔ اس لیے نہ تو اس کے بارہ میں یہ ہی رویہ معقول ہوگا کہ اس سارے نظام کو بذاتہ مقصود سمجھ کر اس کی ایک ایک جزئی کو ہر عورت کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں لازم العمل سمجھا جائے اور اس میں ذرا بھی تجزبہ سے کام لے کر عورت کے کسی بھی طبقہ کے بارے میں کوئی بھی گنجائش نکالی جائے تو اسے پردہ شکنی کے مترادف قرار دیا جائے۔ گویا رواج کو اصل ٹھہرا کر اس کے معیار سے پردہ اور بے پردگی کا فیصلہ کیا جائے اور نہ یہی رویہ قابلِ قبول یا معقول ہوگا کہ بے پردگی کو مقصود سمجھ کر فحش کار قوموں کی نقالی میں پردہ کے سارے نظام شرعی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے اور پردہ شکنی کو خود ایک موضوع زندگی بنا کر اس کی ترویج کی سعی کی جائے۔

معتدل راہ یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتی ہے کہ حجابِ نسواں ایک مکمل نظام شرعی ہے جو مختلف الانواع حجابات پر مشتمل ہے اور یہ سارا نظام اپنے جزو کل میں اپنی علت کے تابع ہے جسے فحش کہتے ہیں، جہاں یہ علت پائی جائے گی اور جتنی پائی جائے گی اسی حد تک نظام حجاب کی جزئیات زیر عمل آتی رہیں گی اور جس حد تک مرتفع ہوتی رہیگی اسی حد تک اس نظام کی کڑیاں ڈھیلی پڑتی رہیں گی۔

پس اسلام میں حجاب بھی ہے اور رفع حجاب بھی ہے نہ یہی کہا جاسکتا ہے

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ لہٰذا موجودہ دورِ بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ لہٰذا یہ تنگ و تند رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رُخی راہوں کے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار و اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہوں۔

حالانکہ وہ تنگی" نظام حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمینِ شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعہ کے باوجود مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو بیکیہ تقوے خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

کو باغ وراغ کی زینت کلب و پارک کی رونق، بازاروں اور سیرگاہوں میں آلہ تفریح اور ڈانس خانوں اور ناچ گھروں میں پوری زیب و زینت کے ساتھ زیب محفل دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اسلام کے نظامِ حجاب کو آج کی نام و نہاد مہذب اقوام کے تمدن و معاشرہ کی عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں جس سے انہیں یہ نظام ڈھیلا، معطل اور از کار رفتہ دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ از کار رفتگی اس نظام کی نہیں بلکہ ان کی ڈھلی ہوئی نگاہِ بصیرت کی ہے۔ جس کی روشنی کو موجودہ برقی تمدن کی نمائشی چمک دمک نے اچک لیا اور ناکارہ بنا دیا ہے۔

درمیانی راستہ پر وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو اس افراط و تفریط سے ہٹ کر اس درمیانی پروگرام پر ہیں جس کی تفصیلات ابھی سامنے لائی گئیں ہے۔

اس لیے تفصیلاتِ بالا پیش کر کے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ اس دورِ الحاد و فتن میں لوگ اپنی حیاء و عفت اور اپنی باحیاء و عفت مستورات کی حیاء و عفت کی حفاظت کریں گے جس کا راستہ سوائے شرعی نظامِ حجاب کی پیروی کے دوسرا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

محمد طیب غفر اللہ لہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۲/۷/۵ ھ

ارزاں اور خوبصورت دینی کتب

آداب النبی (صلعم)	از	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ
شہیدِ کربلا اور یزید		مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ
فلسفۂ نماز		"
کلمہ طیبہ بمعہ کلمات طیبات		"
علم غیب		"
اعجاز القرآن		شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ
اسلام کے بنیادی عقائد		"
مجموعہ رسائل ثلثہ		"
العقل والنقل		"
مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ		مولانا مناظر احسن گیلانی
حیاتِ خضرؑ		مولانا سید میاں اصغر حسینؒ
معارف گنگوہیؒ		ملفوظات مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
اسلامی آداب		مولانا عاشق الٰہی صاحب
فضائل استغفار		مولانا اشرف علی تھانویؒ
اسلام میں مشورہ کی اہمیت		مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحب

ملنے کا پتہ: ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ـــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور

فون ۷۳۲۴۴۱۲ ـ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

لاہور ـــــ ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان

فون ـــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ـــــــــــــــ موہن روڈ

چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk
web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۝ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ———— اشرف برادرز

ناشر ———— ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ———— وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد ———— ایک ہزار

کتابت ———— مشتاق احمد

قیمت ————

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۳۲۴۴۴۲، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۱۸۵

★ — ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون — ۷۲۲۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

★ — موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بُنیادیں کتاب و سُنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بُنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بُنیادی حقیقت مُشتبہ ہو گئی اور وہ مختلف شکوک و شُبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فرو گذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ و نظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ و موعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیر اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطہ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط و تفریط اور ایک دوسرے کے ردِ عمل کی صورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدود دونوں مشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدود کو علماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دوسری طرف کھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بنیادی حکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بنیادی حقیقت اور شرعی صورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف علماء کرام اور اہلِ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بنیادیں واشگاف کیں اور شرعی صورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِّ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے ہیں جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اَبنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے میں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پُرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّن بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاددہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرط توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ما علیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بنیادی علت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس علت کی بناء پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علت نص و آیت و روایت ، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صورت حکم میں کسی نہ کسی علت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدار حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بنیادی علت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس علت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیر ینہ علت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ بس یہ حکم اپنی متعلقہ علت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصود اصلی ردّاً یا اثباتاً یہی علت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ اندریں صورت علت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جاتے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی علتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال

مثلاً ممنوعاتِ شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی علت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بُنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مُبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ موسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے سنا میں مُورتی پُوجا دیکھی اور حضرت مُوسےٰ علیہ السلام سے خواہش کی کہ اُنہیں بھی ایسے ہی برنجی معبُود بنا دیئے جائیں تو اُنہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا، شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال و جواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز نبعضِ حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف و شہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہو گا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہ قبیح ہو گی وہ جیسے دنیا میں حرام ہو گی، جنت میں بھی حرام ہو گی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل و ہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امور سے نفرت ہو گی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہ قبیح اور منکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہینِ تصویر کی ہے، تعظیمِ تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکمِ ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالمِ دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلہ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحب معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدار سُود کا بلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علت کی وجہ سے ہے خود بذاتہ زیادہ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدار سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شراب کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے، جس نے اِس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچانیکی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہٖ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اُٹھ جائیگا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیال مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائیگا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدّل ماہیئت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہئیت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہر حال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاء نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پورا جام وسبو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دجشہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو ونما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتدبہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدارِ قلیل کے عدم کا دعوے نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزوی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں۔

قتلِ کلاب کی مثال

اسی طرح ضعفِ علت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی علت کُتّے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبت کم ہوتی رہی، وُوں وُوں اس حکم کی شدت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کتوں تک محدود رہ گیا جب محبت کا یہ قدر بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کتّوں سے کیا تعلق کہ اُنکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک اُمت ہے اُمتوں میں سے"

اور جب کتّوں سے اعراض اور نفرت قائم ہوگئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کتّے کی شکار کے لیے حفاظتی کتّے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روکدیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتّا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبّتِ کلاب کی بناء پر تھا، جُوں جُوں محبّت گھٹتی گئی، وُوں وُوں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علّت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبّت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علّت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علّت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں برملا ایک نَر اپنی اور دوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہاتم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دوسرے لفظوں میں انسانیہ غائب ہو گئی اور یوں کچھ عقل معاش یعنی کمانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غائب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سُست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقفِ عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رُخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلاروک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، بہیمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صُورت میں نہ مکارمِ اخلاق باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف و منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء و عفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہو جائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لُوط ختم ہو گئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کر لیتی؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللہ یامُر بالعدل والاحسانِ وایتاءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)	"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کُھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (القرآن)	"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

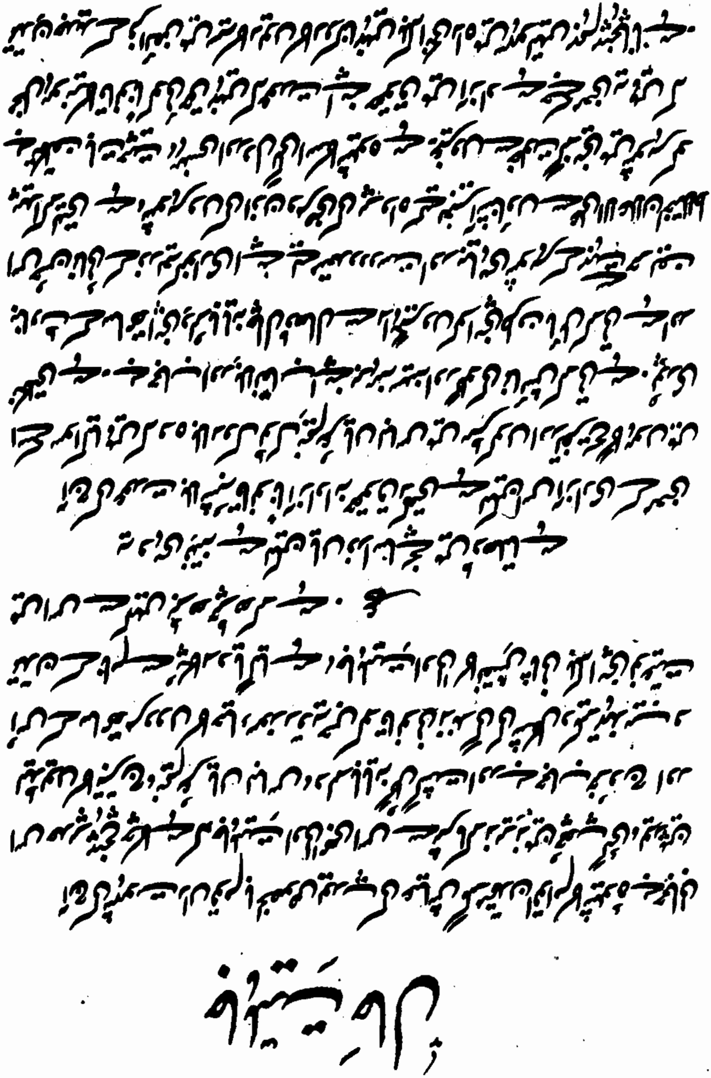
اب ظاہر ہے کہ زناکاری کا راستہ ودواعی زنا رہیں اور دواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش ومنکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت وپاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تغریبیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہوکر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظرِ عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدرتی طور پر اس کی نقل وحرکت کی بے قیدی ہے اور آزادیٔ نقل وحرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتدا، دواعی زنا سے ہوکر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہوکر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمتِ تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کردیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔



موجودہ جاہلیّت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرابنک اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نو عمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے"۔

(اخبار سچ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منعِ حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

موجودہ جاہلیّت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ دسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے"۔

(اخبار سچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو و دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہو گی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات اُنکے اصُول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امُور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دوسو سے اُوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار" مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:۔

" لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پُوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پر بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے" ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:۔

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:۔

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعاب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"

(تعلیماتِ اسلام صـ۱۷۷)

مسٹر جارج ایلین اینڈالون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں "

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی ، استعمالی سامانوں کی نہیں ، انتخابِ حسن کی ! کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس ملک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس ملک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے ، اور نہ صرف اعضاء حسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے ، بلکہ اعضاء شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں ۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گودی ، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

ان " مشتے نمونہ از خروارے " اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایام کے ہیں ، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی رَو میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگا کر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جارہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدن ہے جس کی طرف "مُدعی سُست گواہ چُست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بلا رہے ہیں۔ مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جارہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہوگئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دِلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیتِ اولےٰ اور اس جاہلیتِ اُخری کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادّی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیت و قومیّت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعئ زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبوی ہے:۔

اِنَّ الْمَرْاَۃَ عَوْرَۃٌ مَّسْتُوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور اب کسی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کرے گا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبوی میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ اُمَّتِیَ الْعَزْلُ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادی نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۔ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ نقل و حرکت میں نہ پڑیں۔"

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کیساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندئ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو۔"

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا ردوبدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآنِ کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی باتنوین لا کر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثلِ حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مطالبات وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاعِ خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاءِ قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہر حال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم سترا شناسی کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

پر قیود و بند عائد فرمادی کہ اُس میں بھی دہی مردوں کے باہمی اختلاط کا خطرہ اور فتنۂ شہوات کا ظہور ممکن تھا۔

پھر حج کی عبادت تو بہر حال سفری تھی ، لیکن حاضریٔ مساجد تو مقامی نقل و حرکت ہے جسے سفر بھی نہیں کہا جا سکتا ، لیکن اس پر بھی اس درجہ قیود عائد کی گئی ہیں کہ وہ قدرتی طور پر قلیل ہوتے ہوتے بمنزلہ معدوم کے ہوگئی ہے ۔

حضرت ام حمید ساعدیہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! میری پسند خاطر یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کیا کروں ، تو آپ نے ارشاد فرمایا :۔

عبادات قیود : فقال قد علمت وصلوتک فی بیتک خیر لک من صلوتک فی حجرتک وصلوتک فی حجرتک خیر لک من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیر لک من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خیر لک من صلوتک فی مسجد الجماعۃ ۔ (مسند احمد)

"میں نے سمجھ لیا ، پس بات (مختصر) یہ ہے کہ تیری نماز تیری گھر کی کوٹھڑی میں افضل ہے ، گھر کے دالان سے اور دالان میں تیری نماز افضل ہے عام صحن کی نماز سے اور عام صحن کی نماز بہتر ہے گھر کی مسجد کی نماز سے ، اور گھریلو مسجد کی نماز تیرے لیے افضل ہے مسجد محلہ میں نماز پڑھنے سے"۔

(مسند احمد)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے چند بلیغ جملے جو انہوں نے اپنے رسالہ "حجاب شرعی" میں تحریر فرمائے ہیں ، اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غضِ بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتداء میں، اتقیاءِ اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے"!

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحتہ اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

" اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فأذنوا لهنّ "

" جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں :-

" لا تمنعوا نساءكم المساجد وبيوتهن خير لهن "

" عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دُوسری روایت میں زمانِ صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضوار افشانی کے۔ اس لیے اجازتِ مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکیٔ شب کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں :۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"۔

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشادِ نبویؐ ہے :۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد) "اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابُو مُوسےٰ رضؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

وان المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ۔ (رواہ الترمذی)

" عورت نے جب خوشبُو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے "۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہلِ جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسلِ جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی۔ حدیث ابوہریرہؓ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :۔

لا تقبل صلوٰۃ امرءۃ تطیبت للمسجد حتی تغتسل غسلہا من الجنابۃ (ابوداؤد)

" ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی جو مسجد کے لیے خوشبُو لگا کر نکلی جبتک وہ غسلِ جنابت نہ کرلے۔"

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قومی مقدم ہے، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ ناز انداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبوی ہے:۔ انھوا نساءکم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور ناز و انداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو۔"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشاد حق ہے:۔

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم اظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا:۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگار نہ کھولیں (پلکہ تک نہ دکھائیں) الا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہوجائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن ۔ (القرآن الحکیم)

"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی الله جمیعا ایها المومنون لعلکم تفلحون

"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن

"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبوی میں نگاہِ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے"

اگر دُور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

لیس للنساء سلام ولا علیہن ۰ "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے"

(ابونعیم فی الحلیہ)

پھر اگر مجبوراً اثناءِ راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی اُنس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جسکے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

[illegible]

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :۔

خیر صفوف الرجال اولها و	"نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف، صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها أخرها وخير صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء اٰخرها و شرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے"!

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نوعمر بچوں سے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا:۔ "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولھا و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرھا اٰخرھا وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء اٰخرھا وشرھا اولھا۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے۔"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سبکو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے۔ اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :-

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلن قامت الامام وسطھن۔ (ہدایہ جلد اول)

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھکر کھڑا ہونیکا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اوّل)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاؤں کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیگئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترِ حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کسقدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئی بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے. کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہیئت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے. ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آپڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آجائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آجائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آجائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ ومخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حسّی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی روایتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت ومیلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے عولہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت وصلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہا بلّت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں، آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آرہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قدر و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازتِ جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دوسری صورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز و انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتوی سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑبھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہئیت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہئیتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا بھی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہئیت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعالِ صلوٰۃ کی ذاتی ہئیتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہئیتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدارِ کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدارِ انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہئیتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ سترِ صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورتِ غلیظہ (اعضاءِ تناسل وغیرہ) کا ربع حصّہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیّت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاءِ نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فسادِ صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور منشرح ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہر حال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئی تھی، جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّت امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتوے دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفراد و تنہائی رغبتوں کو ابھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعث رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفراد و تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شان امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ ابھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شانِ امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدّتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیاتِ قابلِ التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آ جانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے باحجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہئیت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعث صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفراد محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفراد محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہوگا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہوگی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات و اوصاف سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعثِ رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعثِ رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ با جمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد واجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد واجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر۔ تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ:۔

بلاشبہ باعثِ رغبت وکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شے پر فریفتہ ہوجاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہو گا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللہ الحمد

بہرحال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) بے شک حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا دمنع بے حجابی ہو گا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت وممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ اُن میں سے کوئی امامتِ صُغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر کے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر روک دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبوی ہے:-

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمادیا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی و ابو داؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کھیل پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کرکے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تقریبوں اور سیر و تماشا کو تبرّج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرّج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:-

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔

"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی و ابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرّج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حِسّی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فضل طهور المرأة ،	وہ ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ (ترمذی جلد اوّل ص۹)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاءِ دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے سترِ خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محلِ شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :-

لاینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لایناسبه ملاحظة النساء لتوجه الخاطر الیهن (هدایه جلد اول ص۱۰۱)

"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شارح اس کی حقیقت اور لم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہِ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے۔"

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہرحال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب وشہادت کا قانون غیب وشہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم وتہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود وقیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن وقلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات وخیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت وعبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانیکا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بُو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں۔ کیوں ؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخریٰ کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں، سیرگاہوں جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیتہ اور کہاں وہ مسلمانہ تموجِ حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی چھوٹی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجالہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتدا ہی نہیں آ گئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا[illegible] سے [illegible] غیر محسوس [illegible] لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنفِ نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادیٔ خیال نے حجابِ خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاءِ حسن کو بے نقاب کیا سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے:۔

"فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملّیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیر باد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عُریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہُوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ر مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حیائی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع واقسام کے حجاب کے ذریعہ دینِ الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے ابتداء میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزادی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزادی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کر دے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھوٹ پھوٹ کر روئیے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائیے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکا شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھلے کھلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھل کے کھل آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی جھگتنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیروکار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدود خانہ اور قیود خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آ رہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حد و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعت شوہر، گھریلو زندگی، اقربار سے پاک محبت وسلوک، حیاء وعفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی	باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَھُمْ	ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ط	(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعون دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عادتہً موضع تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسُو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرمادیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضع تہمت میں تہمتہ لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

قابلِ لعنت ہیں تو یہ متہم عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

اس سے دوسرا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی یہ مدح فرمودہ بے خبری اور غفلت ان کے حق میں موضع مدح اور رفع تہمت کا ذریعہ ہے تو اس کے مقابل کالجوں، اسکولوں اور کلبوں سے حاصل کردہ باخبری، بیداری اور روشن خیالی بلاشبہ مذموم اور موضع تہمت ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر یہ دونوں متقابل اوصاف قابلِ ستائش ہوں تو یہ تخصیص و کرار تخصیصِ مدح عبث ٹھہر جائے گی۔

پھر اسی سے تیسرا نتیجہ خود بخود یہ بھی نکل آتا ہے کہ لڑکیوں کے حق میں اس قسم کی بیداری پیدا کرنے والی اجتماعی تعلیم گاہیں اور اجتماعی پلیٹ فارم بلاشبہ وسائل تہمت اور ان اسبابِ تہمت کو "تعلیم نسواں" کے نام سے مہیا کرنے والے ان کے دوست نما دشمن ہیں جو انہیں انجام کار بداخلاقیوں کی راہ پر لا رہے ہیں۔

اس سے چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جو عورت اپنی خلقت اور ساخت کے لحاظ سے پاکدامنی کے دائرہ میں حوادثِ عالم اور نفسیاتِ رجال سے بے خبر ہے اور بے خبر رہنا ہی اس کے حق میں صفتِ مدح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ عورت اس بے خبری اور بے شعوری پر کب یہ منصب رکھتی ہے کہ وہ تمدنی قانون سازی میں حصہ لینے کی حقدار ہو۔ اگر حصہ لے گی تو اس کی نفسیات سب سے پہلے خود اپنی آزادی کو ملحوظ رکھ کر قانون بنائے گی اور اس کی آزادی کے وہ نتائج ہیں جو ابھی سامنے لائے گئے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ عورت کی شرکت سے بنا ہوا قانون سیہ کاریوں کی تخم ریزی کافی حد تک کر سکے گا جو انجام کار تخریب عالم کا باعث ہو گا۔

چنانچہ یورپ اپنی عورت کو آزادی اور حق قانون سازی دے کر قانوناً اور

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار رہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امُور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صُورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوّت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دُوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔ "جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزار ہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیا سوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عنداللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ:۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط

"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دُور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا معزز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے اُن کے قلوب میں جذباتِ صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء و اقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ۔ پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے ۔ اسی تعلیم کو شریعتِ اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے ، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آ کر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمارِ تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں ۔

اخبار کانسٹر آر لاہور لکھتا ہے کہ :۔

" ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں ، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آ کر اسی " عہد تاریک " یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں ، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے ، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں "

لیکن اس " عہدِ روشن " کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں ۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مُدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوتِ حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیثِ دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہرحال جذباتِ شباب کا خلاصہ، اظہارِ جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیا کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے، جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

پردہ پر پہلا اعتراض اور اُس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی و داعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد مضرتیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند بنا کر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا۔ کیونکہ مجربہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے)۔ پس جس قدر اُنہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آ جائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتوے صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیتہ ہی ترکِ معصیتہ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرص مزید کے ساتھ اس پر ادر قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھا لیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبُود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمنٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھ رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزارہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مؤرخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دِلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کھتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایکدوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوےٰ کہ :-

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِّ باب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِّ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِّ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِّ باب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہُنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جُرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شئے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شئے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غضب وظُلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوا وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلادیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہوسکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑ کر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مُضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا، کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے! کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کُود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مُضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم و یقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاحی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذّتوں کی ناپاکی و خباثت اور روحانی مُضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انقصادیوں کے

اس بے بُنیاد وہم کی بُنیاد تھی، کُلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجابِ نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بُنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دُوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسّر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہُوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مُضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہرحال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طولِ قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حدِ ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہیں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھر ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہر حال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تا مشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشتکار کھیت کے رقبہ میں مقید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قلّی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیس گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و برباد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصُول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہُوا ہے۔ اس کی طبعی حُدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کاروبار سے معطل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی ہی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصّہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصّہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی قید و بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابیٔ صحت اگر کسی حد تک تسلیم کر لی جائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے ؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی ؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے ؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی ؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی ؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔ یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دُوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاء شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہو گا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پر ہر وقت یہی بار ہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

ہیجان بھی ہر وقت مسلط نہ رہتا تھا۔ قلوب سکون اور جمعیت و یکسوئی لیے ہوتے تھے اس لیے مادۂ باہ اپنے مرکز پر جاگزیں تھا، وقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت استعمال میں آتا تھا۔ خرچ کی نسبت جمع زیادہ تھی اس لیے طبیعت قوت لیے ہوئے تھی۔ طبیعت مدبرہ کو بدن کی تربیت ونگرانی اور نشوونما دینے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ آتے تھے اور ظاہر ہے کہ اندر سے طبیعتِ مدبرہ کا قوی ہونا اور باہر سے بدن کا مضبوط ہونا قدرتی طور پر صحت کا ضامن اور امراض کے لیے مانع تھا اور بجز موسمی حملوں سے خود طبیعت کے ضعف سے امراض کا ہجوم نہ تھا۔ اسی لیے قویٰ مضبوط قد وقامت دراز اور عمریں طویل تھیں۔ لیکن آج بالکل اُس کے برعکس قصّہ ہے۔ پس کیا اس سے یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ آج کی بے حجابی اور آزادی ہی سارے امراض کی جڑ ہے۔ اور اُدھر حجابات (جو ظاہر میں پردہ کی شکل رکھتے ہیں) اور باطن میں عفت و عصمت اور تقوے وطہارت کی ہیئت لیے ہوئے ہیں، ساری صحتوں کا منشا رہیں، اس لیے ممکن نہیں ہے کہ صحتِ عامہ اور قوتِ قویٰ بغیر حقیقی حجاب قائم کیے ہوئے ٹوٹ سکے۔

بے حجاب اقوام کی صحتیں بھی درُست نہیں

رہا آزاد اور بے حجاب قوموں کی صحت کا اچھا نظر آنا، باوجودیکہ وہ بے حجابی اور بے حیائی، بلکہ برہنگی کی بھی ساری منزلیں طے کر چکی ہیں سو یہ اس پر مبنی نہیں کہ ان کی صحتِ عامہ درست ہے بلکہ کچھ اسس پر کہ ہماری آنکھوں کے سامنے

[illegible]

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :۔

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :۔

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۰ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیا کے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

[illegible]

اس تقریر کا حوالہ دے کر ایک اطالوی مضمون نگار لکھتا ہے کہ :-

” خود اطالیہ کا کیا حال ہے ؟ ۱۹۲۹ء میں جتنی ولادتیں ہوئیں وہ ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں بقدر ۲۹ ہزار کم ہیں ، اگر اسی شرح سے آبادی گھٹتی رہی تو جو حال اس وقت فرانس کا ہے وہی بلکہ اس سے بدتر اٹلی کا ہو کر رہیگا “

آگے چل کر پھر یہی باخبر مضمون نگار لکھتا ہے کہ :-

” اکیلے اٹلی پر موقوف نہیں فرانس اور جرمنی بلکہ یورپ کے سارے ہی مغربی علاقوں کا یہ حال ہے کہ دیہات اُجڑتے جاتے ہیں اور دیہات کی ساری آبادی کھنچ کھنچ کر بڑے بڑے شہروں میں چلی آ رہی ہے اور یہی شہری آبادی اس نسلی اور قومی خودکشی میں پیش پیش ہے “

(اخبار سچ ۱۴ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس عیاشی اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ امراض نے جہاں پیدائشوں کی تعداد گھٹا دی ہے ، وہیں اموات کی تعداد بھی بڑھا دی ہے ۔ چنانچہ ڈیلی ایکسپریس لندن ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :-

” ۱۹۲۷ء میں برطانیہ کی شرح پیدائش فی ہزار ۱۶٫۶ یعنی ہر سال سے کم رہی اور شرح اموات فی ہزار ۱۲٫۳ یعنی ہر سال سے زیادہ رہی ۔ انتہی

یورپ کی بے حجابی اور آزادی نے آخر ان بے حجاب مرد و عورت کو کہاں پہنچایا ہے ؟ کیا اسی قوت و توانائی کی طرف جس کے راگ پردہ شکنوں کی طرف سے الاپے جاتے ہیں ، استغفر اللہ یہ بے حجابی اور گھروں سے آزاد باشی عورت کی صحت

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں:-

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۶۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۲ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۲؍ نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ:-

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہر حال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھو دی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹادیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوےٰ کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلےٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دور میں یہی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

اس قسم کے غلط نتائج لوگ اُن کی ظاہری شوخی وشنگی سڑکوں اور تفریح گاہوں میں بے حجابانہ اُچھل کود، جہالت ونخوت آمیز جرأت وجسارت اور آزادی د آزاد روشی کو دیکھ کر نکال لیتے ہیں، حالانکہ قوت وصحت اور چیز ہے اور اس قسم کی بے حجابیاں اور شوخیاں اور چیز۔ ساتھ ہی بڑی وجہ اس قسم کے خیالات قائم کر لینے کی یہ ہے کہ ان کی ہر بد سے بدتر خصلت کی پُشت پر شوکت وحکومت کی نمود ہے، جو عامۃً مفتوح اور غلامی زدہ قلوب کو مرعوب کر لیتی ہے، ان کی کمزوریاں دامنِ حکومت میں چھپی ہوتی ہیں اور مفتوحوں کی خوش ادائیاں بھی غلامی کی بوسیدہ اور سڑیل قبا میں بدنما دکھائی دیتی ہیں، اس لیے عامۃ الناس کے خیالات کی رَو اس شوکت سے مرعوب ہو کر اسی طرف بہہ نکلتی ہے کہ انہی کے جذبات اچھے۔ انہی کی صحت اچھی، انہی کی قوت اعلیٰ، اور انہی کی ہر ادا تہذیب وشائستگی سے بھرپور ہے۔ حالانکہ دانا قلوب کے نزدیک محاسن جہاں بھی ہوں محاسن ہیں۔ اور بُرائیاں جہاں بھی ہوں، برائیاں اور عیوب ہی ہیں۔

بہرحال اعداد وشمار سے ظاہر ہو گیا کہ ان پردہ شکن اور آزاد قوموں کی صحت اور اندرونی حالت یا غیر نمائشی زندگی سب سے زیادہ بدتر اور قابلِ نفرت ہے اور جبکہ پردوں سے باہر نکل کر اور ہر قسم کی آزادی سے مُستفید ہو کر بھی یہ قومیں امراضِ عامہ کا شکار ہیں اور کسی طرح صحت وقوت کی اس بلند سطح پر نہ پہنچ سکیں جس کے بلند بانگ دعاوی سے آج گنبدِ عالم گونج رہا ہے تو پھر آخر ان بے حجابیوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ اور پردہ داروں کو پردہ نے کیا مضرت پہنچائی؟ بلکہ الٹا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار ہا وہ امراضِ خبیثہ جن سے اس مرز دبوم کے

[illegible]

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلموا قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً، نقلاً و تجربتہً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل وکمال کی بہتات اور اسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا بعد جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطورِ ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن و سنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزار ہا علماء جو مرد تھے، انکے علم و عرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانح عمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل و کمال کو لسان نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہہ کا املاء کرا رہے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون عذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اوپر کے طبقات میں ازواج مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر نہج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علمائے اور صحابہؓ پس پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علوم نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آگیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصب نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپ کو ڈھارس اور تسلّی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلےٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلےٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدّث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علم طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفت میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبادِ زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابنِ عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبولِ بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے عُلماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزارہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوعی کومات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالات کی سوانحعمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گزری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدۂ شاہ سُلیمان کی مصاحب خاص اور حُسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کرلیگی۔ قطعہ یہ تھا:

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
مَن از دہنِ مارِ شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعد اللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس پر پرواز کرکے عرش تک پہنچا جاسکتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہوجاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشیدآں شیرِ نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہینِ منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاءِ وقت تھیں اور مردان سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنفِ نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیورِ علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور فقہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہو گا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعثِ جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعثِ علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہوگئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ: "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اُسکے قلب میں وہ علم و معرفۃ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہوگا (او کما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بد نگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردۂ حجاب تھا جو اپنی حدود پر قائم تھا تو علم و معرفۃ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء، عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشوونما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے:-

شکوت الیٰ وکیع سوءَ حفظی — فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الہ — ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوئے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم و عرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمد للہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بے پردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصُوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپنے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بمدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بمدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاءِ خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاءِ حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جُدا کر کے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جُدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو کھوش رو چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پا در ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنیٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھُپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھُوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اُس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر باہر، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:۔

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو"

(۶) بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تا کہ اُنہیں حُرہ پہچان کر منافق ایذا رسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حِصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہو گیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انہوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جا سکتی تھی۔ حُرہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے ادناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنٰے کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شد و مد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادۃً وہاں شہوانی جذبات کے اُبھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنیٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ اُبھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں اُبھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پر امن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

"بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے"

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب وسنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود وقیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداء تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

پردہ جزوی یا کلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہو گا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نو عمر اور نابالغ بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی مامائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہُوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں رہتیں۔ ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت وبموجودگیٔ اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

تو جس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی منظنّہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اڑ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اولین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہو گی؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہو گا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آسکے گا؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہو گا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر و مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویہ، باندی، منگیتر اور معبوثہ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علّتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہوجانے سے مرتفع ہوجاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیّت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنار سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جیسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذّت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذّت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پَیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذّت لینا اور تمنّا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پَیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیّل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محل فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفّت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذالعمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ و سماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پس پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرّحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسب ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذالعمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا۔ غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

[illegible]

[illegible]

کو باغ وراغ کی زینت کلب و پارک کی رونق، بازاروں اور سیر گاہوں میں آلۂ تفریح اور ڈانس ہالوں اور ناچ گھروں میں پوری زیب و زینت کے ساتھ زیب محفل دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اسلام کے نظامِ حجاب کو آج کی نام و نہاد مہذب اقوام کے تمدن و معاشرہ کی عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں جس سے انہیں یہ نظام ڈھیلا، معطل اور از کار رفتہ دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ از کار رفتگی اس نظام کی نہیں بلکہ ان کی ڈھلی ہوئی نگاہِ بصیرت کی ہے۔ جس کی روشنی کو موجودہ برقی تمدن کی نمائشی چمک دمک نے اچک لیا اور ناکارہ بنا دیا ہے۔

درمیانی راستہ پر وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو اس افراط و تفریط سے ہٹ کر اس درمیانی پروگرام پر ہیں جس کی تفصیلات ابھی سامنے لائی گئیں۔

اس لیے تفصیلاتِ بالا پیش کر کے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ اس دورِ الحاد و فتن میں لوگ اپنی حیاء و عفت اور اپنی باحیاء و عفت مستورات کی حیاء و عفت کی حفاظت کریں گے جس کا راستہ سوائے شرعی نظامِ حجاب کی پیروی کے دوسرا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

محمد طیب غفر اللہ لہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۲ ۱/۷۵ھ

[illegible]

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ـــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲-فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

لاہور ـــــ ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان
فون ـــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ـــــــــــ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk
web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۝ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور ۔۔۔ کراچی

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ______ اشرف برادرز
ناشر ______ ادارہ اسلامیات لاہور
طباعت ______ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد ______ ایک ہزار
کتابت ______ مشتاق احمد
قیمت ______

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر.....14991.....

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۴۳۴۰۸، فیکس ۹۲-۴۲-۶۳۲۴۱۸۵

★ — ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون — ۷۲۳۲۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

★ — مرکز علم
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بُنیادیں کتاب و سُنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بُنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بُنیادی حقیقت مشتبہ ہو گئی اور وہ مختلف شکوک و شبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ و نظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ و موعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیر اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطہ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط و تفریط اور ایک دوسرے کے ردِ عمل کی صُورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدُود دونوں مُشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدُود کو عُلماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کُھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بُنیادی حُکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صُورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بُنیادی حقیقت اور شرعی صُورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف عُلماءِ کرام اور اہلِ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بُنیادیں واشگاف کیں اور شرعی صُورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اسی نسبت سے ردِ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کیے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے ہیں جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر ابنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے میں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پُرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّن بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاد دہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرط توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علّت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ما علیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بُنیادی علّت ضرور رہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس عِلّت کی بناء پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی عِلّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدارِ حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بُنیادی عِلّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس عِلّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیرینہ علّت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ پس یہ حکم اپنی متعلقہ عِلّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصُود اصلی ردّاً یا اثباتاً وہی علّت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصُود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت عِلّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جاتے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی عِلّتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مِثال

مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی عِلّت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مبتلا تھی تو اس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ موسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منا میں مورتی پوجا دیکھی اور حضرت موسےٰ علیہ السلام سے خواہش کی کہ انہیں بھی ایسے ہی برنجی معبود بنا دیئے جائیں تو انہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے ان کا آپریشن کیا، شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال وجواب کرتے وقت بتصریح شراحِ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز نبعضِ حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف وشہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہو گا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہ قبیح ہو گی وہ جیسے دنیا میں حرام ہو گی؛ جنت میں بھی حرام ہو گی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل وہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امور سے نفرت ہو گی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہ قبیح اور منکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سَر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہین تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکم ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحبِ معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدارِ سُود کا بلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علّت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادہ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفّار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدارِ سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شراب کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علّتِ سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیتِ نشہ سے بچانا ہے، جس نے اِس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیتِ نشہ آوری اس شربت میں گھُل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچاؤ کی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا ابھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیالِ مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدل ماہیت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہیئت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہرحال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاء نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پورا جام وسبو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دجُثّہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو ونما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتد بہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدار قلیل کے عدم کا دعوے نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزدی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں۔

قتلِ کلابؓ کی مثال

اسی طرح ضعف علّت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتّوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی علت کُتّے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتّوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبت کم ہوتی رہی، وُوں وُوں اس حکم کی شدت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبت کم ہوگئی تو یہ حکم سیاہ کتّوں تک محدود رہ گیا جب محبت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرمادیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کتوں سے کیا تعلق کہ انکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک امت ہے امتوں میں سے"

اور جب کتوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کتے کی شکار کے لیے حفاظتی کتے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روک دیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبتِ کلاب کی بناء پر تھا، جوں جوں محبت گھٹتی گئی، ووں ووں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم ان کی محبت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بَد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں بر ملا ایک نَر اپنی اور دُوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہاتم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دُوسرے لفظوں میں اِنسانیہ غائب ہو گئی اور یُوں کچھ عقل معاش یعنی کمانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غالب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی ؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقف عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، بہیمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صُورت میں نہ مکارمِ اخلاقی باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف؛ منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء وعفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادّی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہوجائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہوسکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہوجائے جیسے قومِ لُوط ختم ہوگئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہرصورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کرلیتی؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادّی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حُرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللّٰہ یامُر بالعدل والاحسانِ وایتاءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)

"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کُھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (القرآن)

"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صُورت

اب ظاہر ہے کہ زنا کاری کا راستہ و دواعی زنا رہیں اور دواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش و منکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھُونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذّت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت دپاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تفریحیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدریجی طور پر اس کی نقل و حرکت کی بے قیدی ہے اور آزادئ نقل و حرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجانِ شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبّہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمتِ تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

جاہلیتِ حالؔ

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بے حجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیرِ زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خرُوج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پُکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ؏

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلاشبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پُوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دِلرُبایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حُسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کر لیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیّت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرایٹک اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نو عمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے"

(اخبار سچ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منعِ حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہو گی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہو گا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات اُنکے اصول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دو سو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:۔

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پر بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے"۔ ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ :-

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"۔

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے :-

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعباب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"۔

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۱۰)

مسٹر جارج ایلین اینڈ الون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی ، استعمالی سامانوں کی نہیں ، انتخابِ حسن کی ! کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس ملک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس ملک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے ، اور نہ صرف اعضاء حسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے ، بلکہ اعضاء شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں ۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گوری ، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

ان " مشتے نمونہ از خروارے " اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایّام کے ہیں ، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی رَو میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جارہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگاکر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جا رہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدّن ہے جس کی طرف "مُدّعی سُست گواہ چُست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بُلا رہے ہیں یہ مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جا رہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہو گئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دِلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیتِ اولٰے اور اس جاہلیّتِ اُخریٰ کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیّت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادّی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیّت و قومیّت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعیٔ زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبویؐ ہے :-

إِنَّ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور کبھی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کرتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبویؐ میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرمادیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ أُمَّتِي الْعَزْلُ ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادیٔ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ[1] — "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ سرگرمیوں میں نہ پڑیں۔"

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کے ساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندیٔ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا۔ — "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو۔"

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا ردوبدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصُورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآنِ کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی با تنوین لا کر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حُرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثلاً حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مطالبات وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفاء و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاعِ خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاءِ قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہر حال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم ستر اشناسی کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

[illegible]

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کُل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غضِ بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتداء میں، اتقیاء اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے"

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

"اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھن"

"جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"لاتمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن"

"عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دوسری روایت میں زمان صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضوافشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکیٔ شب" کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں: ارشادِ نبویؐ ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشادِ نبویؐ ہے:۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد) "اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابُو مُوسیٰ رضؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وان المراۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ ۔ (رواہ الترمذی)	"عورت نے جب خوشبُو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے"

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہلِ جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی ۔ حدیث ابوہریرہؓ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

لاتقبل صلوٰۃ امرءۃ تطیب للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)	"ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی جو مسجد کے لیے خوشبُو لگا کر نکلی جبتک وہ غسلِ جنابت نہ کرلے۔

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی ۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے ، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے ، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے ، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو ، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:-

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مار لیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ ناز انداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبوی ہے:- انھوا نساءکم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور ناز و انداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو۔"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشاد حق ہے:-

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں۔"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم الاظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا:-

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگار نہ کھولیں (یہاں تک نہ دکھائیں) الا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)۔"

پھر باجے کا زیور ایک با صوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن ۔ (القرآن الحکیم)

"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللّٰه جمیعا ایها المومنون لعلكم تفلحون

"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن

"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے"

اگر دُور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غض بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کردی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کردیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۔ "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے" (ابونعیم فی الحلیہ)

پھر اگر مجبوراً اثناءِ راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی اُنس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

[illegible]

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نوعمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :۔ "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها آخرها وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء آخرها وشرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے "!

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنیکی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجادینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریح فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے ہاسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں سے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :- "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها آخرها وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء آخرها وشرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے۔"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اسوقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :-

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلق قامت الامام وسطھن۔ ہدایہ جلد اول

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مونث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھکر کھڑا ہونیکا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاؒ دین کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سُنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سُنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیگئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام ستر و حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کس قدر دِقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

.... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئے بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہئیت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے۔ ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آ پڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آ جائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آ جائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آ جائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہت و مخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حِسّی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی و ذاتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے عولہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہا بلت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر سے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں، آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قدر و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پُشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازتِ جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دُوسری صُورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہئیت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہئیتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا بھی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہئیت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہیئتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہیئتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہیئتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فساد صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور متشرع ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہرحال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئی تھی، جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّت امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تاکہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلاشبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفرادو تنہائی رغبتوں کو اُبھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعثِ رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفرادو تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شانِ امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ اُبھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس وجمال وکمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال وکمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جارہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال وکمال اور بلا خصوصیاتِ قابل التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب وکشش کے مقام ومرتبہ پر آجانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے باحجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفرادِ محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہئیت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعث صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفرادِ محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہو گا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہو گی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات دادصاف سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و کشش نہیں، باعث رغبت صرف جمال و کمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرما دی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعث رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ با جمال و کمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد و اجتماع (عورت کی تنہائی و شرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد و اجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ :-

بلا شبہ باعث رغبت دکشش جمال و کمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال و کمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت وکراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہوگا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللہ الحمد

بہر حال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجتماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعنوان حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا وضع بے حجابی ہو گا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت و ممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مُریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ اُن میں سے کوئی امامتِ صُغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کُبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر سکے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے :-

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی و ابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں ؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس پھر ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہرحال عورت و مرد کے حِسّی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل طهور المرأة ،	وہ ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ (ترمذی جلد اول ص۳۱)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے سترِ خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے سترِ خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محلِ شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :۔

لاینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لایناسبه ملاحظة النساء لتوجه الخاطر الیهن (هدایه جلد اول ص۱۰۱)	"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شراح اس کی حقیقت اور علم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے۔"

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہر حال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب و شہادت کا قانون غیب و شہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ بس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم و تہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

؎ بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات و خیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت و عبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانے کا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں۔ کیوں؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخریٰ کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازار کس سیرگاہوں جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیۃ اور کہاں وہ مسلمانہ تموجِ حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق رُوحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجابِ کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم وجدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجا لہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہَوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتداً ہی نہیں آ گئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا اندیشی سے بالکل غیر مُضر سمجھ کر اختیار کیا لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنف نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادئ خیال نے حجاب خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاء حسن کو بے نقاب کیا، سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :۔

” فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوان فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیرباد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عُریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچّے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہُوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ر مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حجابی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرامکاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دینِ الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے اہتدار میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزادی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزادی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کردے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکا شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھلے کھلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھل کھل کے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی ٹھوکنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیرو کار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدود خانہ اور قیود خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آرہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حد و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعتِ شوہر، گھریلو زندگی، اقرباء سے پاک محبت و سلوک، حیاء و عفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ط

"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعون دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عامۃً موضع تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرما دیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضع تہمت میں تہمت لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

قابلِ لعنت ہیں تو یہ متہم عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

اس سے دوسرا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی یہ مدح فرمودہ بے خبری اور غفلت ان کے حق میں موضع مدح اور رفع تہمت کا ذریعہ ہے تو اس کے مقابل کالجوں، اسکولوں اور کلبوں سے حاصل کردہ باخبری، بیداری اور روشن خیالی بلاشبہ مذموم اور موضع تہمت ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر یہ دونوں متقابل اوصاف قابلِ ستائش ہوں تو یہ تخصیص و کرا درِ تخصیصِ مدح عبث ٹھہر جائے گی۔

پھر اسی سے تیسرا نتیجہ خود بخود یہ بھی نکل آتا ہے کہ لڑکیوں کے حق میں اس قسم کی بیداری پیدا کرنے والی اجتماعی تعلیم گاہیں اور اجتماعی پلیٹ فارم بلاشبہ وسائل تہمت اور ان اسبابِ تہمت کو "تعلیم نسواں" کے نام سے مہیا کرنے والے ان کے دوست نما دشمن ہیں جو انہیں انجام کار بداخلاقیوں کی راہ پر لا رہے ہیں۔

اس سے چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جو عورت اپنی خلقت اور ساخت کے لحاظ سے پاکدامنی کے دائرہ میں حوادثِ عالم اور نفسیاتِ رجال سے بے خبر ہے اور بے خبر رہنا ہی اس کے حق میں صفتِ مدح ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ عورت اس بے خبری اور بے شعوری پر کب یہ منصب رکھتی ہے کہ وہ تمدنی قانون سازی میں حصہ لینے کی حقدار ہو، اگر حصہ لے گی تو اس کی نفسیات سب سے پہلے خود اپنی آزادی کو ملحوظ رکھ کر قانون بنائے گی اور اس کی آزادی کے وہ نتائج ہیں جو ابھی سامنے لائے گئے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ عورت کی شرکت سے بنا ہوا قانون سیہ کاریوں کی تخم ریزی کافی حد تک کر سکے گا جو انجام کار تخریب عالم کا باعث ہو گا۔

چنانچہ یورپ اپنی عورت کو آزادی اور حق قانون سازی دے کر قانوناً اور

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امُور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعۃ۔ ”جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو“۔

سو کوئی شُبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صُورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزار ہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیا سوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادیٔ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دُوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ:۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس برائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہو گا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیا سوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عند اللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ:۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط

"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دُور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا معزز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے ان کے قلوب میں جذبات صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء واقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعتِ اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آ کر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمار تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹی ٹیوشن لاہور لکھتا ہے کہ:۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آ کر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں۔"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مدتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیث دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہر حال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیا کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے، جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا، لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیئے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:-

پردہ پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی و داعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد معترضیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند بنا کر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا۔ کیونکہ مجربہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر انہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آجائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتوے صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیتہ ہی ترکِ معصیتہ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرص مزید کے ساتھ اس پر اور قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھا لیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبُود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھ رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مورّخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دِلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کرتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایک دوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصُول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیّت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیّت ان کے دلوں میں معصیّت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صُورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوےٰ کہ :۔

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِّباب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِّ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِّ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِّ باب ہے، اب تک وہ معصیّت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہُنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم وفہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسّی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصُول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جُرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شئے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افرادِ مالِ مسروقہ، مالِ غضب و ظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوا وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افرادِ مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلا دیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہو سکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑ کر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا، کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؟ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہر گز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم ریقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور حکائی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذتوں کی ناپاکی، خباثت اور روحانی مضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہر حال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انقصادیوں کے

اس بے بنیاد وہم کی بنیاد تھی، کلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجابِ نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ، نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دُوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مُضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِّ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہرحال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طول مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طول قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حد ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہیں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی وخواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً "عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھروں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہر حال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تا مشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشت کار کھیت کے رقبہ میں قید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیس گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و بر باد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہوا ہے۔ اس کی طبعی حُدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آچکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کاروبار سے معطل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی ہی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی قید و بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابی صحت اگر کسی حد تک تسلیم کر لیجائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر ثابت نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔

یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاءِ شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہو گا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پر ہر وقت یہی بار ہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

[illegible]

[illegible]

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے:۔

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے:۔

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۰ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیا کے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

اس تقریر کا حوالہ دے کر ایک اطالوی مضمون نگار لکھتا ہے کہ :-

" خود اطالیہ کا کیا حال ہے ؟ ۱۹۲۹ء میں جتنی ولادتیں ہوئیں وہ ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں بقدر ۲۹ ہزار کم ہیں ، اگر اسی شرح سے آبادی گھٹتی رہی تو جو حال اس وقت فرانس کا ہے وہی بلکہ اس سے بدتر اٹلی کا ہو کر رہیگا "

آگے چل کر پھر یہی باخبر مضمون نگار لکھتا ہے کہ :-

" اکیلے اٹلی پر موقوف نہیں فرانس اور جرمنی بلکہ یورپ کے سارے ہی مغربی علاقوں کا یہ حال ہے کہ دیہات اُجڑتے جاتے ہیں اور دیہات کی ساری آبادی کھنچ کھنچ کر بڑے بڑے شہروں میں چلی آ رہی ہے اور یہی شہری آبادی اس نسلی اور قومی خودکشی میں پیش پیش ہے "

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس عیاشی اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ امراض نے جہاں پیدائشوں کی تعداد گھٹا دی ہے ، وہیں اموات کی تعداد بھی بڑھا دی ہے ۔ چنانچہ ڈیلی ایکسپریس لندن ۲۸ر اگست ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :-

" ۱۹۲۷ء میں برطانیہ کی شرح پیدائش فی ہزار ۶ء۱۶ یعنی ہر سال سے کم رہی اور شرح اموات فی ہزار ۳ء۱۲ یعنی ہر سال سے زیادہ رہی ۔ انتہی

یورپ کی بے حجابی اور آزادی نے آخر ان بے حجاب مرد و عورت کو کہاں پہنچایا ہے ؟ کیا اسی قوت و توانائی کی طرف جس کے راگ پردہ شکنوں کی طرف سے الاپے جاتے ہیں ، استغفر اللہ یہ بے حجابی اور گھروں سے آزاد باشی عورت کی صحت

کو تو گیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتورِ عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :-

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۷۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۶ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ نومبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے کہ :-

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹادیں،

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۷۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گنوا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوےٰ کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلےٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دور میں یہی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشر عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

اس قسم کے غلط نتائج لوگ اُن کی ظاہری شوخی وشنگی سڑکوں اور تفریح گاہوں میں بے حجابانہ اُچھل کود، جہالت ونخوت آمیز جرأت وجسارت اور آزادی و آزاد روشی کو دیکھ کر نکال لیتے ہیں، حالانکہ قوت وصحت اور چیز ہے اور اس قسم کی بے حجابیاں اور شوخیاں اور چیز۔ ساتھ ہی بڑی وجہ اس قسم کے خیالات قائم کر لینے کی یہ ہے کہ ان کی ہر بد سے بدتر خصلت کی پُشت پر شوکت وحکومت کی نمود ہے، جو عامتہً مفتوح اور غلامی زدہ قلوب کو مرعوب کر لیتی ہے، ان کی کمزوریاں دامنِ حکومت میں چھپی ہوتی ہیں اور مفتوحوں کی خوش ادائیاں بھی غلامی کی بوسیدہ اور سڑیل قبا میں بدنما دکھائی دیتی ہیں، اس لیے عامتہ الناس کے خیالات کی رَو اس شوکت سے مرعوب ہو کر اسی طرف بہہ نکلتی ہے کہ انہی کے جذبات اچھے۔ انہی کی صحت اچھی، انہی کی قوت اعلیٰ، اور انہی کی ہر ادا تہذیب وشائستگی سے بھرپور ہے۔ حالانکہ دانا قلوب کے نزدیک محاسن جہاں بھی ہوں محاسن ہیں۔ اور بُرائیاں جہاں بھی ہوں، برائیاں اور عیوب ہی ہیں۔

بہرحال اعداد وشمار سے ظاہر ہو گیا کہ ان پردہ شکن اور آزاد قوموں کی صحت اور اندرونی حالت یا غیر نمائشی زندگی سب سے زیادہ بدتر اور قابلِ نفرت ہے اور جبکہ پردوں سے باہر نکل کر اور ہر قسم کی آزادی سے مُستفید ہو کر بھی یہ قومیں امراضِ عامہ کا شکار ہیں اور کسی طرح صحت وقوت کی اس بلند سطح پر نہ پہنچ سکیں جس کے بلند بانگ دعاوی سے آج گنبدِ عالم گونج رہا ہے تو پھر آخر ان بے حجابیوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ اور پردہ داروں کو پردہ نے کیا مضرت پہنچائی؟ بلکہ الٹا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار ہا وہ امراضِ خبیثہ جن سے اس مرزِ بوم کے

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلّمُوا قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"۔

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی مقتضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل بتلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور مضر رہے جیسا کہ شرعاً و نقلاً و تجربتہً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے۔ اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلموا قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کرلو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً، نقلاً و تجربتہً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل و کمال کی بہتات اور اسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطورِ ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن و سنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزارہا علماء جو مرد تھے، انکے علم و عرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہُوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہُوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانح عمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل و کمال کو لسانِ نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہُوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہہ کا املاء کراتے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون عذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اُوپر کے طبقات میں ازواجِ مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر نہج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علماء اور صحابہؓ پسِ پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علومِ نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آ گیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصبِ نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپؐ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابنِ نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلیٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علمِ طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفتہ میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امۃ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عباد زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابن عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے۔ حضرت ستّ الملوک اپنے زمانہ کی مقبول بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے عُلماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزار ہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوعی کومات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالمات کی سوانح عمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گزری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدۂ شاہ سُلیمان کی مصاحب خاص اور حُسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کریگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زَر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
مَن از دہنِ مار شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعداللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس سے پرواز کرکے عرش تک جا پہنچتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہو جاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشیدآں شیرِ نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہینِ منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلّہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاء وقت تھیں اور مرد اُن سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنف نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیور علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفوائے کریمہ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور رفعہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوےٰ محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہوگا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعث جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعث علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ:۔ "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اُسکے قلب میں وہ علم و معرفۃ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہو گا (اوکما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بدنگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردہ حجاب تھا جو اپنی حد پر قائم تھا تو علم و معرفۃ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء و عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشوونما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے:۔

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی　　　فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہ　　　ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم و عرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمد للہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بےپردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دیگئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنےٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بمدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دُوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بمدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِّ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاء خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاءِ شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاءِ حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاءِ ستر جیسے اعضاءِ نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاءِ حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاءِ شہوت کو اعضاءِ حسن سے جُدا کر کے اعضاءِ شہوت کے حکم سے بھی اُنہیں جُدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو خوش رو چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنیٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایامِ احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھُپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھُوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شُدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اُس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر بار، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:-

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شُدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو"

(۶) بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تاکہ اُنہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذا رسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہوگیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انھوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جا سکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے اوناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

" تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی "

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنےٰ کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دُوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دُوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادتہً وہاں شہوانی جذبات کے اُبھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنےٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ اُبھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں اُبھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے ۔ اس جزئی پر امن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

" بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلّل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے "

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکمِ حجاب باوجود یقینی اور کتاب وسُنّت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفعِ فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے ۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود وقیود بلکہ حسبِ ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا ۔ جیسا کہ ابتداءِ تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علّت کے تابع ہے مقصودِ اصلی اسی علّت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے ۔

پردہ جزوی یا کُلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہو گا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اُٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نوعمر اور نابالغ بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آ جائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی ملمائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں جام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنّہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں رہتیں۔ ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنّہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت و بموجودگی اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنّہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

توجس صورت میں کہ فحش ومنکر کا کوئی مظنّہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اڑ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اوّلین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہوگی؟"

توآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہوگا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت وفحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آسکے گا؟ طبیعتیں فکر وہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد وعورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہوگا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر ومؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت وفحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویّہ، باندی، منگیتر اور معتوہ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علّتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہو جانے سے مرتفع ہو جاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیّت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جیسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذّت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذّت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پَیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذّت لینا اور تمنّا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پَیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیّل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محلِ فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفّت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذ العمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ و سماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پس پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہو گا بلکہ غیر مصرّحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسب ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذ العمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہو گی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہو گی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہو گی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہو گی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہو گا۔ غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ لہٰذا موجودہ دورِ بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ لہٰذا یہ تنگ دستور رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رُخی راہوں کے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار و اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دَور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہیں۔

حالانکہ وہ تنگی نظامِ حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمین شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعے کے باوجود مسجد حرام اور مسجد نبویؐ کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو پیکرِ تقویٰ خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

www.KitaboSunnat.com

[illegible]

ارزاں اور خوبصورت دینی کتب

آداب النبی (صلعم)	از	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
شہیدِ کربلا اور یزید		مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
فلسفۂ نماز		"
کلمہ طیبہ مع کلمات طیبات		"
علم غیب		"
اعجاز القرآن		شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی
اسلام کے بنیادی عقائد		"
مجموعہ رسائل ثلثہ		"
العقل والنقل		"
مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ		مولانا مناظر احسن گیلانی
حیاتِ خضر		مولانا سید میاں اصغر حسین
معارف گنگوہی		ملفوظات مولانا رشید احمد گنگوہی
اسلامی آداب		مولانا عاشق الٰہی صاحب
فضائل استغفار		[illegible] اشرف علی تھانوی
اسلام میں مشورہ کی اہمیت		مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحب

ملنے کا پتہ: ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

ادارہ اسلامیات
پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲ ـ فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

لاہور ــــ ۱۹۰/ انار کلی، لاہور، پاکستان
فون ــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ــــــــــــ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk
web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۝ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظام عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ـــــــــ اشرف برادرز

ناشر ـــــــــ ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ـــــــــ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

کتابت ـــــــــ مشتاق احمد

قیمت ـــــــــ

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ـــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۳۲۴۴۲۸، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۱۸۵

★ ـــــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ـــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۲۲۵۵

★ ـــــ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیادیں کتاب و سنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بنیادوں پہ ہر دور میں بلاانقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کرلیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بنیادی حقیقت مشتبہ ہو گئی اور وہ مختلف شکوک و شبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ ونظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ وموعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیرِ اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطۂ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط وتفریط اور ایک دوسرے کے ردِ عمل کی صُورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدُود دونوں مُشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدُود کو عُلماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کُھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑبندیوں کو بھی پردہ کے بُنیادی حُکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صُورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بُنیادی حقیقت اور شرعی صُورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف عُلماءِ کرام اور اہلِ فضل وکمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بُنیادیں داشگاف کیں اور شرعی صُورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شُبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شُبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شُبہات اور ردِّ شُبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اَبنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے میں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّن بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاددہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہرحال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرط توجہ ضرور نافع اور کارآمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علّت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے ماله و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بُنیادی علّت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس عِلّت کی بناء پر وہ حکم شارعِ حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی عِلّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدارِ حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بُنیادی عِلّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس عِلّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیرینہ علّت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ بس یہ حکم اپنی متعلقہ عِلّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصودِ اصلی ردّاً یا اثباتاً یہی عِلّت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت عِلّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جانے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی علتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال

مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی علت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بُنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السلام معبوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ موسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منا میں مورتی پوجا دیکھی اور حضرت موسےٰ علیہ السلام سے خواہش کی کہ انہیں بھی ایسے ہی برنجی معبود بنا دیئے جائیں تو انہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہرحال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا، شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال وجواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز نبعضِ حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف وشہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہوگا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہ قبیح ہوگی وہ جیسے دنیا میں حرام ہوگی، جنت میں بھی حرام ہوگی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل وہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امور سے نفرت ہوگی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہ قبیح اور منکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سَر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہین تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکم ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علّت صاحب معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدار سُود کا بلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشُبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علّت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادۃ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفّار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدار سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شراب کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علّت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے، جس نے اس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچانیکی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہوسکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیال مشروب ہے جو نشہ آور ہوجانے کے بعد فوراً ہی زیر ممانعت آکر حرام خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدل ماہیت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہوگیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہئیت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہر حال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاء نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پُورا جام وسبُو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دجُشہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو ونما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پَل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتدبہ ہو جاتی ہے تو مجمُوعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدمِ احساس کی وجہ سے اس مقدارِ قلیل کے عدم کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزدی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہٖ مقصود نہیں۔

قتلِ کلابؔ کی مثال

اسی طرح ضعفِ عِلّت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتّوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی عِلّت کُتّے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدّن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتّوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبّت کم ہوتی رہی، وُوں وُوں اس حکم کی شدّت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبّت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کتّوں تک محدود رہ گیا جب محبّت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کُتوں سے کیا تعلق کہ انکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک اُمت ہے اُمتوں میں سے"

اور جب کُتوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کُتے کی شکار کے لیے حفاظتی کُتے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روک دیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبتِ کلاب کی بناء پر تھا، جُوں جُوں محبت گھٹتی گئی، وُوں وُوں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلا شبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دُوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشُبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفّت کی ضِد ہے، حیاء کا تعلق عقل وخرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں برملا ایک نَر اپنی اور دُوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہاتم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی

آتی

تو دُوسرے لفظوں میں اِنسانیہ غائب ہو گئی اور یُوں کچھ عقل معاش یعنی کمانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غائب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقف عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، باہمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صُورت میں نہ مکارمِ اخلاقی باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف و منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء و عفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہو جائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لوط ختم ہو گئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیساکہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کر لیتی؛ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادّی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)	"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا (القرآن)	"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو، بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

اب ظاہر ہے کہ زنا کاری کا راستہ و داعی زنا رہیں اور و داعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش و منکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت و پاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تفریحیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدرتی طور پر اس کی نقل و حرکت کی بے قیدی ہے اور آزادیٔ نقل و حرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مُسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبّہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمتِ تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

[illegible]

جاہلیتِ حاضرہ

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بے حجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیرِ زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خرُوج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پُکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ؏

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلاشبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پُوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دِلرُبایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حُسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کر لیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیکل اینڈ گائیڈ ڈسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے"

(اخبار سچ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شامل حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ دسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہو گی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات انکے اصول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دو سو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:۔

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اس کے لوازم و خصوصیات سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پہ بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے"۔ ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:-

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"۔

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:-

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعاب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"۔

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۰۰)

مسٹر جارج ایلین اینڈالون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی ، استعمالی سامانوں کی نہیں ، انتخابِ حسن کی یا کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس مُلک اور شہر کے نام انتخابِ حُسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس مُلک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے ، اور نہ صرف اعضاء حُسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے ، بلکہ اعضاء شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں ۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گودی ، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

ان " مشتے نمونہ از خروارے " اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصُوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایّام کے ہیں ، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی زَد میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن وسکون میں آگ لگا کر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جا رہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدن ہے جس کی طرف "مُدعی سُست گواہ چُست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بُلا رہے ہیں یہ مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جا رہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہوگئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیتِ اولےٰ اور اس جاہلیتِ اُخریٰ کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیت و قومیت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعیٔ زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبوی ہے:۔

اِنَّ الْمَرْاَۃَ عَوْرَۃٌ مَّسْتُوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور اب کسی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کریگا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبوی میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ اُمَّتِیْ الْعَزْلُ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادیٔ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُولٰی ؎ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ نقل و حرکت میں نہ پڑیں۔"

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کے ساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندیٔ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو۔"

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا ردّ و بدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآنِ کریم نے حکم مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی با تنوین لاکر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثلاً حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مخاطبت وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاع خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاء قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہر حال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم ستر اشناس کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

" خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہو گی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غض بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتداء میں، اتقیاء اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے۔"

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

" اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھن "

" جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو "

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں :-

" لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن "

" عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں "

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دُوسری روایت میں زمان صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی عوار افشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ تاریکیٔ شب کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشاد نبوی ہے:۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد)

"اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابُوموسیٰ رضؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وان المرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ ۔ (رواہ الترمذی)

" عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے "

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہل جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی ۔ حدیث ابو ہریرہ رضؓ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

لاتقبل صلوٰۃ امرءۃ تطیب للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)

" ایسی عورت کی نماز نہیں ہو گی جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی جب تک وہ غسلِ جنابت نہ کر لے ۔

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی ۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے ، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے ، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے ، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو ، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ ناز انداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبویؐ ہے:۔ انھوا نساءکم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور ناز و انداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو"۔

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشاد حق ہے:۔

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"۔

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم الاظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا:۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگار نہ کھولیں (بلکہ تک نہ دکھائیں) الّا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"۔

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن ۔ (القرآن الحکیم)	"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایها المومنون لعلکم تفلحون	"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دُور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سُرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن	"اور مُسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے"

اگر دُور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غض بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۰ (ابو نعیم فی الحلیہ) "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے"

پھر اگر مجبوراً اثناءِ راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی انس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جسکے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

[illegible]

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں سے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبوی میں ارشاد فرمایا گیا :۔ "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها آخرها وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء آخرها وشرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے۔"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اس میں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبوی ہے :۔

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اسوقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیّت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :۔

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنہا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فلیکرہ کالعراۃ ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلن قامت الامام وسطھن۔ ھدایہ جلد اوّل

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھکر کھڑا ہونیکا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اوّل)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہائے دین کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیجئے تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترو حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کس قدر دِقّتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی ؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں ؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے ؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے ؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئی بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے. کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہئیت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے. ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آپڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آجائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آجائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے تشخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آجائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ ومخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حِسّی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی ودانتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئت انفرادیہ بذاتہٖ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے عوام خواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہائے ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں۔ آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قدر و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پُشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازتِ جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دُوسری صُورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہیئت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہیئتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا ہی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہیئت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تا کہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعالِ صلوٰۃ کی ذاتی ہیئتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہیئتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدارِ انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہیئتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فسادِ صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کُھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظہ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور متشرع ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہر حال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئی تھی جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّت امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتوے دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفرادو تنہائی رغبتوں کو ابھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعث رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفرادو تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شان امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ ابھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جاذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس وجمال وکمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال وکمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال وکمال اور بلا خصوصیاتِ قابل التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب وکشش کے مقام ومرتبہ پر آجانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے باحجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذبِ نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیرِ بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاءِ ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفرادِ محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعثِ جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہیئتِ اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کاملِ امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعثِ صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفرادِ محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہوگا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہوگی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتویٰ ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات دادصاف سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادتی کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعث رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعث رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ باجمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد واجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد واجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ:۔

بلاشبہ باعث رغبت دکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ :۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہوگا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللّٰہ الحمد

بہرحال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجتماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعنوانِ حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوعِ نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا ومنع بے حجابی ہوگا؟ جس پر کراہت کا فتوے لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت وممانعت کا فتوے صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہوکر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہوکر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ ان میں سے کوئی امامتِ صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کرکے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبوی ہے:-

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی والبوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حسی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فضل طهور المرأة ،	"ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ (ترمذی جلد اول ص ۱۰)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے سترِ خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محلِ شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لاینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لایناسبه ملاحظة النساء لتعبه الخاطر الیهن (ھدایہ جلد اول ص۱۰۱)	"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شراح اس کی حقیقت اور لم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے۔"

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہر حال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب و شہادت کا قانون غیب و شہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم و تہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات مع خیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت و عبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانے کا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی یکسانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں، کیوں؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخریٰ کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں سیرگاہوں جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیۃ اور کہاں وہ مسلمانہ تموج حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجا لہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتدا ہی نہیں آ گئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا [illegible] روشنی سے [illegible] بے خبر سمجھ کر ادا [illegible] لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنفِ نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادیٔ خیال نے حجابِ خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاء حسن کو بے نقاب کیا، سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :-

"فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملّیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ ر دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :۔

" انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیر باد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ رمئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حیائی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دینِ الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہر گز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے اہتدار میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزلوی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزلوی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کردے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکا شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھلے کھلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھل کے کھل آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی بھگتنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیرو کار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیمناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدود خانہ اور قیود خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آرہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حدّ و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعتِ شوہر، گھریلو زندگی، اقرباء سے پاک محبّت و سلوک، حیاء و عفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلّفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوّت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خوُد پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي	باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ط	(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعونِ دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عادتاً موضع تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرمادیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضع تہمت میں تہمت لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزار ہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادیٔ ضمیر کے نام سے انجامِ کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عنداللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ:۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط	"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دُور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا معرّ اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے ان کے قلوب میں جذباتِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء و اقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعتِ اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آکر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمار تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹی ٹیوشنل (؟) لاہور لکھتا ہے کہ:۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آکر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں۔"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مُدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیث دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہرحال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیاء کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللّٰہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے، جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا، لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

پردہ پر پہلا اعتراض اور اُس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی و داعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد معترتیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند بنا کر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا، کیونکہ مجرّبہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر انہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آجائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتوے صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیۃ ہی ترکِ معصیۃ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرصِ مزید کے ساتھ اس پر ادرِ قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھالیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھا رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مورّخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کرتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایکدوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیّت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوے کہ :-

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِ باب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِ باب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہُنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسّی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حِس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو مُنکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جُرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شئے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غضب و ظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوٰ وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلا دیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہو سکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبوی میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑکر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا، کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؟ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کُود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم و یقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاحی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذّتوں کی ناپاکی و خباثت اور روحانی مضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انقصادیوں کے

اس بے بنیاد وہم کی بنیاد تھی، کلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجابِ نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ، نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہرحال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلاضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طولِ قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حدِ ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہتی ہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہی میں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً" عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھروں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہر حال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تامشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشتکار کھیت کے رقبہ میں مقید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیس گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گُزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و برباد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصُول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہُوا ہے۔ اس کی طبعی حُدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کاروبار سے معطّل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی ہی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصّہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصّہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی تبدو بند میں گزارتے ہیں۔

بہر حال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابی صحت اگر کسی حد تک تسلیم کرلیجائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جاسکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کرلیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہوگئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جارہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جارہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔

یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاءِ شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہوگا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پر ہر وقت یہی بار رہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

ہیجان بھی ہر وقت مسلط نہ رہتا تھا۔ قلوب سکون اور جمعیت و یکسوئی لیے ہوتے تھے اس لیے مادۂ باہ اپنے مرکز پر جاگزیں تھا، وقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت استعمال میں آتا تھا۔ خرچ کی نسبت جمع زیادہ تھی اس لیے طبیعت قوت لیے ہوئے تھی۔ طبیعت مدبرہ کو بدن کی تربیت و نگرانی اور نشو و نما دینے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ آتے تھے اور ظاہر ہے کہ اندر سے طبیعتِ مدبرہ کا قوی ہونا اور باہر سے بدن کا مضبوط ہونا قدرتی طور پر صحت کا ضامن اور امراض کے لیے مانع تھا اور بجز موسمی حملوں سے خود طبیعت کے ضعف سے امراض کا ہجوم نہ تھا۔ اسی لیے قویٰ مضبوط قد و قامت دراز اور عمریں طویل تھیں۔ لیکن آج بالکل اُس کے برعکس قصہ ہے۔ پس کیا اس سے یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ آج کی بے حجابی اور آزادی ہی سارے امراض کی جڑ ہے۔ اور اُدھر حجابات (جو ظاہر میں پردہ کی شکل رکھتے ہیں) اور باطن میں عفت و عصمت اور تقوے و طہارت کی ہیئت لیے ہوئے ہیں، ساری صحتوں کا منشا رہیں، اس لیے ممکن نہیں ہے کہ صحتِ عامہ اور قوتِ قویٰ بغیر حقیقی حجاب قائم کیے ہوئے ٹوٹ سکے۔

بے حجاب اقوام کی صحتیں بھی دُرست نہیں

رہا آزاد اور بے حجاب قوموں کی صحت کا اچھا نظر آنا، باوجودیکہ وہ بے حجابی اور بے حیائی، بلکہ برہنگی کی بھی ساری منزلیں طے کر چکی ہیں سو یہ اس پر مبنی نہیں کہ ان کی صحتِ عامہ درست ہے بلکہ کچھ اسی پر کہ ہماری آنکھوں کے سامنے

[illegible]

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگی اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عام آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت و سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کر آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رُو سے سراسر غلط اور ایک ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور اُن کی کھُلی اور چھُپی بیماریوں کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ اقوام نہ صرف بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دُنیا کی بنی ہوئی صحتوں میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مرضیلے جراثیم کی نحوست اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوتِ مردمی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ انقلاب لاہور جلد ۲ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہُوا لکھتا ہے:۔

" مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو جن کی مسین

[illegible]

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :-

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :-

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۵ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیائے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

چشم ہی کے اعداد و شمار قابلِ ذکر نہیں بلکہ عام دماغی فتور اور دیوانگی میں اس سے بھی زائد یورپ کو ترقی کرنے کا موقع ملا ہے۔

نیوز آف ورلڈ لندن ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۸ء رقمطراز ہے کہ:۔

" فتورِ عقل و دماغ میں دیوانے مریضوں کی ترقی پچھلے چھ سال میں ۰ ۲۵۴۷ سے کر کے ۶۱۵۲۲ تک پہنچ گئی ہے اور سالِ رواں کے شروع میں ۱۳۸۲۹۳ تک ہو چکی ہے، یہ مقدار سالِ گذشتہ کے مقابلہ میں ۲۴۰۳ زائد ہے "

(اخبار سچ ۹ نومبر ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر امراضِ باہ اور امراضِ دماغ ہی پر بس نہیں بلکہ اس قومی ضعف و انحلال کے سبب ولادتوں میں جو انحطاط و تنزل پیدا ہوتا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ان متمدن آبادیوں (مغربی ممالک) نے اپنی آزادی اور عیاشی کی بدولت جسمانی تنزل اور ناکامیٔ حیات میں جو ترقی کی ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں اور جس طرح کوئی ایشیائی خطہ اسکا مقابلہ بے حیائی میں نہیں کر سکتا، اسی طرح بے حیائی کے ان نتائج میں بھی نہیں کر سکا۔ پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ:۔

" فرانس کی سرکاری کونسل (چیمبر آف ڈیپوٹیز) کے ایک ممبر نے ۲۹ نومبر کو اپنی مدلل و مفصل تقریر میں بیان کیا ہے کہ فرانس کی آبادی جس تیز رفتاری کے ساتھ گھٹ رہی ہے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ روز کے بعد ملک میں نہ فوج کے لیے کوئی سپاہی ملے گا، نہ جہاز رانی کے لیے کوئی ملاح اور نہ جوتنے کے لیے کوئی کاشت کار "

[illegible]

کو توگیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی کا ہے۔ ضعف بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بےبہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۲ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :-

" مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳،۰۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۳۶۱۸، بخار سے ۴۰۰،۶۶۲۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ "

(اخبار سچ، ۲ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۲۶ نومبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے کہ :-

" اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے "

بہر حال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اودھے پڑھنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :-

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۶۱۸۴، بخار سے ۴۰۰۶۶۲ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۲ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :-

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہر حال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھو دی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہو جانیکی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت وجفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوےٰ کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلےٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دور میں یہی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

[illegible]

[illegible]

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلّمو قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً و نقلاً و تجربتہً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل و کمال کی بہتات اور اسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطور ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن و سنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزار ہا علماء جو مرد تھے، انکے علم و عرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہُوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہُوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانحعمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل و کمال کو لسان نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامِل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہُوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہ کا املاء کرا رہے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون عذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اُوپر کے طبقات میں ازواجِ مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر نہج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علمائے اور صحابہؓ پسِ پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علومِ نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آگیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصبِ نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابنِ نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلیٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں اپنی عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علم طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفتہ میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبادِ زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابن عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امام علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبول بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے عُلماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزارہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوع کو مات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالمات کی سوانح عمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گزری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدہ شاہ سلیمان کی مصاحبِ خاص اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کرلیگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
من از دہنِ مار شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعد اللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس سے پرواز کرکے عرش تک جا پہنچتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہوجاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشید آں شیرِ نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہینِ منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاء وقت تھیں اور مرد اُن سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنف نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیور علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور رفعہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہو گا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعث جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعث علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ :- "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اُسکے قلب میں وہ علم و معرفۃ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہو گا (او کما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بدنگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست اِنہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردہ حجاب تھا جو اپنی حدود پر قائم تھا تو علم و معرفۃ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء، عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشو و نما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے :-

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی	فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الٰہ	ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم و عرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمد للہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بے پردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصُوص میں ہاتھ پَیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دیگئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنےٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بحدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دُوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بحدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاء خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں۔ محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاء حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کرکے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لاد ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کرکے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جدا کرکے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو پوشیدہ چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنٰی بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اُس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر باہر، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:-

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو۔"

(۶) بعض لوگ یہ شُبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تاکہ اُنہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذا رسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حِصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہوگیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پَردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انھوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جاسکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے ادناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنٰے کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شُبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دُوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شُبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دُوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادتًا وہاں شہوانی جذبات کے اُبھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنیٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ اُبھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں اُبھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علّت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پر امن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

"بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے"۔

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب و سنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہٖ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود و قیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداءِ تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

❖

پردہ جزوی یا کُلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذالعمل ہو گا، جہاں اس علّت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیرِ عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علّت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اُٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنٰی ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نو عمر اور نابالغ بچی محل شہوت بنتے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علّت کا منطنہ اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی ملمائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہُوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں رہتیں۔ ان کا جُزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت وموجودگیٔ اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

توجس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی مظنّہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اڑ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اوّلین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہو گی؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہو گا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آ سکے گا؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہو گا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محرمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویۃ، باندی، منگیتر اور معبوثہ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہو جانے سے مرتفع ہو جاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھیے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذت لینا اور تمنا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محل فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذ العمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ و سماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پسِ پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پَیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دُور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرّحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسب ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذالعمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا۔ غرض ہنگامی احوالِ فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

پردہ کی علّت کے معیار سے تین نقطہ ہائے نظر

بہرحال پردہ کا یہ نظام جس کی شرعی تفصیلات پیش کی گئیں اپنے جزو کل میں اسی علتِ فحش کے تابع ہے۔ خود بذاتہ مقصود نہیں۔ اس لیے نہ تو اس کے بارہ میں یہ ہی رویہ معقول ہوگا کہ اس سارے نظام کو بذاتہ مقصود سمجھ کر اس کی ایک ایک جزئی کو ہر عورت کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں لازم العمل سمجھا جائے اور اس میں ذرا بھی تجزیہ سے کام لے کر عورت کے کسی بھی طبقہ کے بارے میں کوئی بھی گنجائش نکالی جائے تو اسے پردہ شکنی کے مترادف قرار دیا جائے۔ گویا رواج کو اصل ٹھہرا کر اس کے معیار سے پردہ اور بے پردگی کا فیصلہ کیا جائے اور نہ یہی رویہ قابلِ قبول یا معقول ہوگا کہ بے پردگی کو مقصود سمجھ کر فحش کار قوموں کی نقالی میں پردہ کے سارے نظام شرعی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے اور پردہ شکنی کو خود ایک موضوع زندگی بنا کر اس کی ترویج کی سعی کی جائے۔

معتدل راہ یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتی ہے کہ حجابِ نسواں ایک مکمل نظام شرعی ہے جو مختلف الانواع حجابات پر مشتمل ہے اور یہ سارا نظام اپنے جزو کل میں اپنی علت کے تابع ہے جسے فحش کہتے ہیں، جہاں یہ علت پائی جائے گی اور جتنی پائی جائے گی اسی حد تک نظام حجاب کی جزئیات زیرِ عمل آتی رہیں گی اور جس حد تک مرتفع ہوتی رہیگی اسی حد تک اس نظام کی کڑیاں ڈھیلی پڑتی رہیں گی۔

پس اسلام میں حجاب بھی ہے اور رفعِ حجاب بھی ہے نہ یہی کہا جا سکتا ہے

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ لہٰذا موجودہ دور بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ لہٰذا یہ تنگ دتند رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رخی راہوں سے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار و اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہوں۔

حالانکہ وہ تنگی نظامِ حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمین شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعہ کے باوجود مسجد حرام اور مسجد نبوی کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو پیکرِ تقوے خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ـــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور

فون ۷۳۲۴۴۱۲-فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

لاہور ـــ ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان

فون ـــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ـــ موہن روڈ

چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk
web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۝ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ــــــــ اشرف برادرز
ناشر ــــــــ ادارہ اسلامیات لاہور
طباعت ــــــــ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد ــــــــ ایک ہزار
کتابت ــــــــ مشتاق احمد
قیمت ــــــــ

اِدارہ اِسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ــــ دیناناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۴۲۷۴۶، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۱۸۵

★ ــــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ــــ ۷۲۲۲۹۹۱ - ۷۳۵۲۲۵۵

★ ــــ موہن روڈ
چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۸۰۱

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید اور وجہ تالیف

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیادیں کتاب و سنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کرلیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بنیادی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور وہ مختلف شکوک و شبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ و نظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہہ و موعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیرِ اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطہ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط و تفریط اور ایک دوسرے کے ردِّ عمل کی صورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدود دونوں مشتبہ ہوگئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدود کو علماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کُھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بُنیادی حُکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بُنیادی حقیقت اور شرعی صورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف علماءِ کرام اور اہلِ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بُنیادیں واشگاف کیں اور شرعی صورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِّ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اپنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے مَیں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پُرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک وشُبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّن بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاددہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرط توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بُنیادی علت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس عِلّت کی بناء پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فے العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی عِلّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدار حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بُنیادی عِلّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس عِلّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیر ینہ علت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ بس یہ حکم اپنی متعلقہ عِلّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصُود اصلی ردّاً یا اثباتاً یہی علت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصُود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت عِلّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جاتے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بنیادی علتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال

مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بنیادی علت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مُبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ مُوسٰے نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منعا میں مُورتی پُوجا دیکھی اور حضرت مُوسٰے علیہ السلام سے خواہش کی کہ اُنہیں بھی ایسے ہی برنجی معبُود بنا دیئے جائیں تو اُنہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا۔ شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال وجواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من هذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز بنصِ حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف وشہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہو گا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہ قبیح ہو گی وہ جیسے دُنیا میں حرام ہو گی، جنت میں بھی حرام ہو گی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل وہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امور سے نفرت ہو گی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہ قبیح اور مُنکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الرّاس سَر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہینِ تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکم ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدّین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلہ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحب معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدار سُود کا بلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادہ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدار سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شراب کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے، جس نے اِس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچانیکی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہٖ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیالِ مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدّل ماہیئت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہئیت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہر حال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاءِ نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پورا جام وسبو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دجُثہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو ونما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پَل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتد بہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدمِ احساس کی وجہ سے اس مقدارِ قلیل کے عدم کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزدی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہٖ مقصود نہیں۔

قتلِ کلاب کی مثال

اسی طرح ضعفِ علّت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علّت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتّوں کے قتلِ عام کا حُکم دیا، جس کی علّت کُتّے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتّوں کی محبت مستولی ہے اس علّت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبّت کم ہوتی رہی، وُوں وُوں اس حکم کی شدّت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبّت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کتّوں تک محدود رہ گیا جب محبّت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کتّوں سے کیا تعلق کہ اُنکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک اُمت ہے اُمتوں میں سے"

اور جب کتّوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کُتّے کی شکار کے لیے حفاظتی کُتّے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روکدیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبّتِ کلاب کی بناء پر تھا، جُوں جُوں محبّت گھٹتی گئی، وُوں وُوں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علّت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبّت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہٖ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہٖ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علّت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِّ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی دبربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علّت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں برملا ایک نَر اپنی اور دُوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہاتم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دُوسرے لفظوں میں اِنسانیہ غائب ہو گئی اور یُوں کچھ عقل معاش یعنی کھانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غالب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقف عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، بہیمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صورت میں نہ مکارمِ اخلاق باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف و منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء وعفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہو جائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لوط ختم ہو گئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کر لیتی؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنَّ اللّٰہ یامُر بالعدل والاحسانِ وایتاءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)	"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کُھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساءَ سبیلا (القرآن)	"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

اب ظاہر ہے کہ زناکاری کا راستہ ودواعی زنا رہیں اور ودواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش ومنکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت دپاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تفریحیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدریجی طور پر اس کی نقل و حرکت کی بے قیدی ہے اور آزادیٔ نقل و حرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مُسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمتِ تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

جاہلیّت اولیٰ

آج سے کئی ہزار سال پیشتر حضرت نوح و ادریس علیہما السلام کے درمیانی قرون نیز زمانہ فترۃ یعنی حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی دور میں جن کو قرآن نے جاھلیۃ اولیٰ فرمایا ہے۔ عورت کی بے حجابی و بے قیدی اپنی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ ان قرون میں عورت ایک نمائش اور مفادِ عامہ کی چیز سمجھ لی گئی تھی، اس کی حیثیت کسی مخفی خزانہ کی سی نہ تھی، جو صرف اپنے ہی حقدار کے کام آسکے بلکہ ایک دفعی دولت کی مانند تھی، جس سے ہر کس و ناکس ہر حالت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا، زیور و پارچہ اور عطریات سے آراستہ ہو کر گھر کی چہار دیواری سے باہر نکلتی، مستانہ چال ڈھال اور ناز و انداز سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی، پھر اس بیرونی زینت و نمائش کے ساتھ ساتھ اعضائے بدن کی عریاں حیثیت اور تمام محاسن جمال نگاہ بازوں کے سامنے پیش کرتی تھی اور اس طرح ایک عورت اپنے شوہر اور عاشق کے درمیان بیک وقت استعمال کی جاسکتی تھی۔ غرض عفت و ستر اور عصمت و پاک دامنی کی حقیقت سے ہی نہیں بلکہ صورت سے بھی ناآشنا ہو کر ہر اس تلذذ سے جو عورت کے ذریعہ مرد حاصل کر سکتا تھا۔ مرد کو مستفید کرنے میں اس بے حجاب عورت کو دریغ نہ تھا۔ رحم باضیہ کی ان میں ناجائز نمائشوں مجسن فروشیوں اور فحش کاریوں کو قرآنِ کریم نے تبرج جاھلیۃ کے عنوان سے ظاہر فرمایا۔

جاہلیتِ حال

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بے حجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیرِ زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خرُوج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پُکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ؏

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلا شبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پُوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دلرُبایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حُسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کر لیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیکل اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سیچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہوگی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں۔"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات اُنکے اصول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دو سو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:-

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پر بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے"۔ ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:-

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"۔

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:-

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعباب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"۔

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۷)

مسٹر جارج ایلین اینڈ الون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے:۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی، استعمالی سامانوں کی نہیں، انتخابِ حسن کی! کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس مُلک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس مُلک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے، اور نہ صرف اعضاء حُسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بلکہ اعضاءِ شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گودی، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان "مشتے نمونہ از خروارے" اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایّام کے ہیں، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی زَد میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگا کر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جارہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدن ہے جس کی طرف، "مُدعی سُست گواہ چُست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بُلا رہے ہیں مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جارہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہوگئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دِلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیتِ اولٰے اور اس جاہلیتِ اُخریٰ کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادّی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیت و قومیّت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعی زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبویؐ ہے:-

اِنَّ الْمَرْاَۃَ عَوْرَۃٌ مَسْتُوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور اب کسی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کریگا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبویؐ میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ اُمَّتِی الْعَزْلُ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادئ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے :۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُولَىٰ ۔ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ تصرفات میں نہ پڑیں"۔

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کیساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندئ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے :۔

حکمِ استیذان :

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِکُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو"۔

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا رد و بدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآنِ کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذالكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی با تنوین لا کر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثل حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مخاطبت وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاع خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاءِ قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہرحال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم سترِ اشخاص کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

یہ قیود و بند عائد فرمادی کہ اُس میں بھی وہی مردوں کے باہمی اختلاط کا خطرہ اور فتنۂ شہوات کا ظہور ممکن تھا۔

پھر حج کی عبادت تو بہر حال سفری تھی، لیکن حاضریٔ مساجد تو مقامی نقل و حرکت ہے جسے سفر بھی نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس پر بھی اس درجہ قیود عائد کی گئی ہیں کہ وہ قدرتی طور پر قلیل ہوتے ہوتے بمنزلہ معدوم کے ہوگئی ہے۔

حضرت ام حمید ساعدیہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری پسند خاطر یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کیا کروں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

عبادات قیود: فقال قد علمت وصلوتك فی بیتك خیر لك من صلوتك فی حجرتك وصلوتك فی حجرتك خیر لك من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك خیر لك من صلوتك فی مسجد قومك وصلوتك فی مسجد قومك خیر لك من صلوتك فی مسجد الجماعة۔ (مسند احمد)

"میں نے سمجھ لیا، پس بات (مختصر) یہ ہے کہ تیری نماز تیری گھر کی کوٹھڑی میں افضل ہے، گھر کے دالان سے اور دالان میں تیری نماز افضل ہے عام صحن کی نماز سے اور عام صحن کی نماز بہتر ہے گھر کی مسجد کی نماز سے، اور گھریلو مسجد کی نماز تیرے لیے افضل ہے مسجد محلہ میں نماز پڑھنے سے۔"

(مسند احمد)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے چند بلیغ جملے جو اُنھوں نے اپنے رسالہ "حجاب شرعی" میں تحریر فرمائے ہیں، اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کُل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غض بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلٰے نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہُوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں اور خود اپنی اقتدار میں، اتقیاء اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے"۔

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

" اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھن "

" جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

" لاتمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن "

" عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دُوسری روایت میں زمان صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضوافشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکیٔ شب کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

فلا تطيب تلك الليلة (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبُو نہ لگائے"۔

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشهد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبُو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشاد نبویؐ ہے:۔

وليخرجن تفلات (ابوداؤد)

"اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبُو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابو موسیٰ رض میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

وان المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ۔ (رواہ الترمذی)

"عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گزری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہل جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی۔ حدیث ابو ہریرہ رض میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:-

لا تقبل صلوٰۃ امرأۃ تطیبت للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)

"ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی جب تک وہ غسلِ جنابت نہ کر لے۔"

حالانکہ یہ خوشبو کسی بری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسن نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے، جو اسے اور اس پر مبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبُو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھُلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھُپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ ناز انداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبوی ہے:۔ انھوا نساء کم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور ناز و انداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو۔"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اُوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشاد حق ہے:۔

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"

ایک دُوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستُور رکھتے ہوئے عدم الظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا:۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگھار نہ کھولیں (یہاں تک نہ دکھائیں) اِلّا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اُسمیں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ متحمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن ۔ (القرآن الحکیم) "اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون "مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن "اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے۔"

اگر دُور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۔ "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے۔"
(ابو نعیم فی الحلیہ)

پھر اگر مجبوراً اثناءِ راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِّ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی اُنس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو۔"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

[illegible]

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نوعمر بچوں سے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :- "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و شرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها۔ (مشکوٰۃ شریف)	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف سب سے اگلی صف ہے۔"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سبکو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے، اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنیکے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پُشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اسوقت تک اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صُورت میں ہیں جبکہ نماز کیلیئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملّت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں)، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:۔

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلق قامت الامام وسطھن۔ (ہدایہ جلد اوّل)

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھکر کھڑا ہونیکا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اوّل)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاؤں کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیگئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترِ حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے سترِ حجاب اور پردہ کے بارہ میں کسقدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کرلو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئی بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکاپن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے. کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہئیت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے. ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آپڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آجائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آجائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آجائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ و مخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مضر ہے، اس حسی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی و ذاتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے خواہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہائے ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات وسکنات بھی ممتاز ہوں، آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قد و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن وسلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازت جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دوسری صورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر وحجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت وکراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر وحجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہئیت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہئیتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا ہی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہئیت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہیئتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہیئتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہیئتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی روح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فساد صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور متشرع ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہر حال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شیٔ تھی، جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّتِ امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تاکہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آ جائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفراد و تنہائی رغبتوں کو ابھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعث رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفراد و تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شانِ امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ ابھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیاتِ قابل التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آجانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محل نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے باحجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفرادِ محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہیئت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعثِ صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفرادِ محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہو گا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہو گی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات راد صاف سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعثِ رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعثِ رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ باجمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد و اجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد و اجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ :-

بلاشبہ باعثِ رغبت وکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شئے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دوسرے اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرمادیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہوگا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللہ الحمد

بہرحال ایک حد تک منقح ہوگیا کہ جس طرح عورت کا اجتماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعنوانِ حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا دمنع بے حجابی ہو گا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت و ممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ اُن میں سے کوئی امامتِ صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر کے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:-

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی وابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رُخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حسّی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل طھور المرأۃ ،	وہ ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ (ترمذی جلد اوّل ص۱)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاءِ دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے سترِ خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گذرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محلِ شہوت وکشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :۔

لاینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لایناسبه ملاحظة النساء لتوجه الخاطر الیهن (هدایه جلد اول ص۱۰۱)	"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شارح اس کی حقیقت اور لم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہِ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے"۔

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہر حال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب وشہادت کا قانون غیب وشہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم وتہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود وقیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن وقلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات وخیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت وعبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانے کا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بُو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں۔ کیوں ؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخری کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں، سیر گاہوں جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرّج جاہلیت اور کہاں وہ مسلمانہ تموّجِ حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جارہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی چھوٹی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجالہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کرلے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتداً ہی نہیں آگئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا اندیشی سے ... سمجھ کر ... لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنفِ نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادیٔ خیال نے حجابِ خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاءِ حسن کو بے نقاب کیا۔ سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریانِ حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :۔

"فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیر باد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حجابی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دین الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے اہتدار میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزادی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزادی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کر دے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھُوٹ پھُوٹ کر رو دیئے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائیے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکار شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھُلے کھُلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کُل کے کُل آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی بھگتنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نُقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے مُلکی پیروکار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدود خانہ اور قیود خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آرہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حد و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعت شوہر، گھریلو زندگی، اقرباء سے پاک محبت وسلوک، حیاء و عفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خُود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي	باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ط	(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاکباز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدّن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعونِ دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عامتہً موضعِ تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسُو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرما دیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضعِ تہمت میں تہمتہ لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ ”جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو“۔

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزار ہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجامِ کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجامِ کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عند اللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ :-

واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط

"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دُور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا مغز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے اُن کے قلوب میں جذبات صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء و اقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعتِ اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آکر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمار تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹآر لاہور لکھتا ہے کہ :۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آ کر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مُدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اُکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوگئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے دیدہ دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہر حال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیاء کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے، جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا، لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

پردہ پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی دواعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد مضرتیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند بنا کر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا، کیونکہ مجربہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر انہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آجائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتوےٰ صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکاب معصیۃ ہی ترکِ معصیۃ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آرہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرص مزید کے ساتھ اس پر اور قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھا لیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبُود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھ رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مؤرخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کرتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایکدوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیّت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب برائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوے کہ:۔

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِّ باب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِّ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِّ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِّ باب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسّی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جُرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شئے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شئے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غضب وظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوٰ وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلا دیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہو سکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑ کر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مُضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا، کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؛ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کُود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مُضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم و یقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاح کی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذتوں کی ناپاکی، خباثت اور روحانی مُضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انقصادیوں کے

اس بے بُنیاد وہم کی بُنیاد تھی، کُلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کردی جائے اور ظاہر ہے کہ حجابِ نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بُنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ، نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دُوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابیِ صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہُوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مُضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہر حال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طولِ قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حد ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہتی ہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہیں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً" عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھروں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہر حال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تا مشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشت کار کھیت کے رقبہ میں قید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیس گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و بر باد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصُول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہُوا ہے۔ اس کی طبعی حدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کاروبار سے معطّل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیّت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی ہی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصّہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصّہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی قید و بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابیٔ صحت اگر کسی حد تک تسلیم کر لی جائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

آیا یہ کہ پردہ مضر صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضر صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔

یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُو برو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاء شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہوگا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبّرہ پر ہر وقت یہی بار رہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

ہیجان بھی ہر وقت مسلط نہ رہتا تھا۔ قلوب سکون اور جمعیت و یکسوئی لیے ہوتے تھے اس لیے مادۂ باہ اپنے مرکز پر جاگزیں تھا، وقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت استعمال میں آتا تھا۔ خرچ کی نسبت جمع زیادہ تھی اس لیے طبیعت قوت لیے ہوئے تھی۔ طبیعت مدبرہ کو بدن کی تربیت و نگرانی اور نشوونما دینے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ آتے تھے اور ظاہر ہے کہ اندر سے طبیعتِ مدبرہ کا قوی ہونا اور باہر سے بدن کا مضبوط ہونا قدرتی طور پر صحت کا ضامن اور امراض کے لیے مانع تھا اور بجز موسمی حملوں سے خود طبیعت کے ضعف سے امراض کا ہجوم نہ تھا۔ اسی لیے قویٰ مضبوط قد و قامت دراز اور عمریں طویل تھیں۔ لیکن آج بالکل اُس کے برعکس قصہ ہے۔ پس کیا اس سے یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ آج کی بے حجابی اور آزادی ہی سارے امراض کی جڑ ہے۔ اور اُدھر حجابات (جو ظاہر میں پردہ کی شکل رکھتے ہیں) اور باطن میں عفت و عصمت اور تقوے و طہارت کی ہیئت لیے ہوئے ہیں، ساری صحتوں کا منشا رہیں، اس لیے ممکن نہیں ہے کہ صحتِ عامہ اور قوتِ قویٰ بغیر حقیقی حجاب قائم کیے ہوئے ٹوٹ سکے۔

بے حجاب اقوام کی صحتیں بھی درست نہیں

رہا آزاد اور بے حجاب قوموں کی صحت کا اچھا نظر آنا، باوجودیکہ وہ بے حجابی اور بے حیائی، بلکہ برہنگی کی بھی ساری منزلیں طے کر چکی ہیں سو یہ اس پر مبنی نہیں کہ ان کی صحتِ عامہ درست ہے بلکہ کچھ اس پر کہ ہماری آنکھوں کے سامنے

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگ
اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عام
آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت
سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کہ آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھ
پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے
دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ
سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو
لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رُو سے سراسر غلط اور ایک
ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ
کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور اُن کی کھُلی اور چھُپی بیماریوں
کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ اقوام نہ صرف
بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دُنیا کی بنی ہوئی صحتوں
میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مرضیلے جراثیم کی نحوست
اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدّن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد
کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوّتِ
مردمی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ
انقلاب لاہور جلد ۳ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہُوا لکھتا ہے :۔

"مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو جن کی حسین

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگی اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عام آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت و سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کہ آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رُو سے سراسر غلط اور ایک ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور اُن کی کھُلی اور چھُپی بیماریوں کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ اقوام نہ صرف بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دُنیا کی بنی ہوئی صحتوں میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مرضیلے جراثیم کی نحوست اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدّن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوّتِ مردمی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ انقلاب لاہور جلد ۲ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہُوا لکھتا ہے:-

" مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو، جن کی حسین

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پائنیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :۔

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :۔

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۰ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیا کے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

کو توگیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی کا ہے۔ ضعف بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

اِدھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰۷ ، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰ ، طاعون سے ۳۶۱۸۴۳ ، بخار سے ۴۰۰۷۶۶۲۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

کو توگیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۶۶۶۲ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، رفروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوے کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلیٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دور میں بھی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

[illegible]

[illegible]

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چُکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلمّوا قبل ان تسودوا " بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کرلو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً و نقلاً و تجربۃً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل و کمال کی بہتات اور اسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطورِ ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن و سنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزارہا علماء جو مرد تھے، انکے علم و عرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانح عمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل و کمال کو لسان نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہہ کا املاء کراتے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون عذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلی نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اوپر کے طبقات میں ازواج مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر نہج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علماء اور صحابہؓ پس پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علومِ نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آ گیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصبِ نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابنِ نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلےٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلےٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر یہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسیؔ سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علم طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذۃ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفت میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبّادِ زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابنِ عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبولِ بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے عُلماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزارہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوع کو مات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالات کی سوانحعمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گذری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدۂ شاہ سُلیمان کی مصاحب خاص اور حُسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کرلیگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زَر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
مَن از دہنِ مار شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعد اللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زرکہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس سے پرواز کرکے عرش تک جا پہنچتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہو جاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشید آں شیرِ نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہین منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاءِ وقت تھیں اور مرداُن سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنفِ نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیورِ علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور فقہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہو گا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعثِ جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعثِ علم ہے تو آجکی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہوگئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ: "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اسکے قلب میں وہ علم و معرفۃ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہوگا (اوکما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل وسفاہت بدنگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردۂ حجاب تھا جو اپنی حدود پر قائم تھا تو علم و معرفتہ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء، عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشوونما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے:-

شکوت الیٰ وکیع سوءَ حفظی ... فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہ ... ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوئے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم و عرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتدأ پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مُستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ" پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمحِ نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمدللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بےپردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دیگئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہر حال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بحدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہر حال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بحدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاء خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاءُ حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جُدا کر کے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جُدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں رد ایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو گوش رد چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنےٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہوسکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھُپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھُوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہوسکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اُس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر باہر، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:۔

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو"

(۶) بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تاکہ اُنہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذا رسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہو گیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انھوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جا سکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے اوناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنےٰ کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادۃً وہاں شہوانی جذبات کے ابھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنےٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ ابھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں ابھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پر امن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

"بہر حال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے"

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب و سنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مصرحہ حدود و قیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداء تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

پردہ جزوی یا کلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہو گا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اُٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نوعمر اور نابالغ بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی ملمائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد و زن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں ہوتیں۔ ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت و بموجودگیٔ اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

تو جس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی مظنّہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اٹھ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اولین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہوگی؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہوگا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آسکے گا؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہوگا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویہ، باندی، منگیتر اور معبوثہ آخرت پردے سے مستثنٰی نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہو جانے سے مرتفع ہو جاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جیسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پَیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذت لینا اور تمنا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پَیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محل فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذالعمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ وسماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پس پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرّحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسب ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذالعمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا۔ غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

پردہ کی علّت کے معیار سے تین نقطہ ہائے نظر

بہرحال پردہ کا یہ نظام جس کی شرعی تفصیلات پیش کی گئیں اپنے جزو کل میں اسی علّتِ فحش کے تابع ہے۔ خود بذاتہ مقصود نہیں۔ اس لیے نہ تو اس کے بارہ میں یہ ہی رویہ معقول ہو گا کہ اس سارے نظام کو بذاتہ مقصود سمجھ کر اس کی ایک ایک جزئی کو ہر عورت کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں لازم العمل سمجھا جائے اور اس میں ذرا بھی تجزیہ سے کام لے کر عورت کے کسی بھی طبقہ کے بارے میں کوئی بھی گنجائش نکالی جائے تو اسے پردہ شکنی کے مترادف قرار دیا جائے۔ گویا رواج کو اصل ٹھہرا کر اس کے معیار سے پردہ اور بے پردگی کا فیصلہ کیا جائے اور نہ یہی رویہ قابلِ قبول یا معقول ہو گا کہ بے پردگی کو مقصود سمجھ کر فحش کار قوموں کی نقالی میں پردہ کے سارے نظامِ شرعی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے اور پردہ شکنی کو خود ایک موضوعِ زندگی بنا کر اس کی ترویج کی سعی کی جائے۔

معتدل راہ یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتی ہے کہ حجابِ نسواں ایک مکمل نظامِ شرعی ہے جو مختلف الانواع حجابات پر مشتمل ہے اور یہ سارا نظام اپنے جزو کل میں اپنی علّت کے تابع ہے جسے فحش کہتے ہیں، جہاں یہ علّت پائی جائے گی اور جتنی پائی جائے گی اسی حد تک نظامِ حجاب کی جزئیات زیرِ عمل آتی رہیں گی اور جس حد تک مرتفع ہوتی رہیگی اسی حد تک اس نظام کی کڑیاں ڈھیلی پڑتی رہیں گی۔

پس اسلام میں حجاب بھی ہے اور رفعِ حجاب بھی ہے نہ یہی کہا جا سکتا ہے

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ لہٰذا موجودہ دورِ بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ لہٰذا یہ تنگ دستند رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رُخی راہوں کے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار و اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دَور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہوں۔

حالانکہ وہ تنگی نظامِ حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمین شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعہ کے باوجود مسجد حرام اور مسجد نبویؐ کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو پیکرِ تقویٰ خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

کو باغ وراغ کی زینت کلب و پارک کی رونق ، بازاروں اور سیرگاہوں میں آلۂ تفریح اور ڈانس ہالوں اور ناچ گھروں میں پوری زیب و زینت کے ساتھ زیبِ محفل دیکھنا چاہتے ہیں ، وہ اسلام کے نظامِ حجاب کو آج کی نام و نہاد مہذب اقوام کے تمدن و معاشرہ کی عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں جس سے انہیں یہ نظام ڈھیلا ، معطل اور از کار رفتہ دکھائی دے رہا ہے ۔ حالانکہ یہ از کار رفتگی اس نظام کی نہیں بلکہ ان کی ڈھلی ہوئی نگاہِ بصیرت کی ہے ۔ جس کی روشنی کو موجودہ برقی تمدن کی نمائشی چمک دمک نے اچک لیا اور ناکارہ بنا دیا ہے ۔

درمیانی راستہ پر وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو اس افراط و تفریط سے ہٹ کر اس درمیانی پروگرام پر ہیں جس کی تفصیلات ابھی سامنے لائی گئیں ۔

اس لیے تفصیلاتِ بالا پیش کر کے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ اس دورِ الحاد و فتن میں لوگ اپنی حیاء و عفت اور اپنی باحیاء و عفت مستورات کی حیاء و عفت کی حفاظت کریں گے جس کا راستہ سوائے شرعی نظامِ حجاب کی پیروی کے دوسرا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق ۔

محمد طیب غفر اللہ لہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۲ ۱/۷۵ ھ

ارزاں اور خوبصورت دینی کتب

آداب النبی (صلعم)	از	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
شہیدِ کربلا اور یزید		مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
فلسفۂ نماز		"
کلمہ طیبہ بمعہ کلمات طیبات		"
علم غیب		"
اعجاز القرآن		شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
اسلام کے بنیادی عقائد		"
مجموعہ رسائل ثلثہ		"
العقل والنقل		"
مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ		مولانا مناظر احسن گیلانی
حیاتِ خضرؑ		مولانا سید میاں اصغر حسینؒ
معارف گنگوہیؒ		ملفوظات مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
اسلامی آداب		مولانا عاشق الٰہی صاحب
فضائل استغفار		مولانا اشرف علی تھانویؒ
اسلام میں مشورہ کی اہمیت		مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحبؒ

ملنے کا پتہ: اِدارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ـــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور

فون ۷۳۲۴۴۱۲-فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

لاہور ـــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان

فون ـــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ـــــــ موہن روڈ

چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk

web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ○ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

2-81،13

جملہ حقوق محفوظ

باہتمام ———— اشرف برادرز

ناشر ———— ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ———— وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد ———— ایک ہزار

کتابت ———— مشتاق احمد

قیمت ————

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ —— ۲ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۳۲۴۴۱۲، ۳۲۴۴۸۵ فیکس ۶۳۲۴۴۸۵-۴۲-۹۲

★ —— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون —— ۷۲۲۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

★ —— موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بُنیادیں کتاب وسُنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بُنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہو جانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط وتفریط کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بُنیادی حقیقت مُشتبہ ہو گئی اور وہ مختلف شکوک وشبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ و نظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ و موعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیرِ اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطہ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ و بے پردگی دونوں ہی نے افراط و تفریط اور ایک دوسرے کے ردِّ عمل کی صُورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدُود دونوں مُشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدُود کو عُلماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کُھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بُنیادی حُکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صُورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بُنیادی حقیقت اور شرعی صُورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف عُلماء کرام اور اہلِ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بُنیادیں واشگاف کیں اور شرعی صُورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِّ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کارفرما ہوتے رہے ہیں جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اپنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے میں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پُرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شُبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّنِ بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاد دہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرط توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علّت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بنیادی علت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس علّت کی بناء پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی علّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدارِ حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بنیادی علّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس علّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیرینہ علّت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ بس یہ حکم اپنی متعلقہ علّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصُودِ اصلی ردّاً یا اثباتاً وہی علّت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصُود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت علّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جاتے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی علّتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال

مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی علّت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قوم نوح عملاً اس میں مبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السّلام مبعوث ہوئے۔ قوم ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السّلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ موسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منعا میں مورتی پوجا دیکھی اور حضرت موسےٰ علیہ السّلام سے خواہش کی کہ اُنہیں بھی ایسے ہی برنجی معبود بنا دیئے جائیں تو اُنہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

انکم قوم تجھلون۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا، شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمّل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیئے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہٖ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہٖ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالمِ برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال و جواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز بعض حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف و شہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہوگا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہٖ قبیح ہوگی وہ جیسے دُنیا میں حرام ہوگی؛ جنت میں بھی حرام ہوگی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل و ہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امُور سے نفرت ہوگی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہٖ قبیح اور مُنکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سَر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہینِ تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکمِ ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدّین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالمِ دُنیا

میں تصویر یا اور اُس کے مذکورہ افراد ہرگز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلہ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحب معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدار سُود کا بِلا عوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علّت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادۃ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پاجائے، جیسے کفّار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدار سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شراب کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علّت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے، جس نے اس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آور ی اس شربت میں گھُل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچانیکی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہوسکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہٖ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکمِ ممانعت بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیالِ مشروب ہے جو نشاآور ہوجانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہوجائے گا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہوکر کسی وجہ سے زائل ہوجائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑجاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہوجاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدل ماہیئت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہوگیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہئیت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہرحال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاءِ نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاءِ نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پُورا جام وسبُو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دُجشہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو و نما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پَل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتدبہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدارِ قلیل کے عدم کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزدی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں۔

قتلِ کلاب کی مثال

اسی طرح ضعفِ عِلّت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتّوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی عِلّت کُتّے کی محبت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتّوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبت کم ہوتی رہی، دُوں دُوں اس حکم کی شدت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کُتّوں تک محدود رہ گیا جب محبت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا وللکلاب ”ہمیں کُتّوں سے کیا تعلق کہ اُنکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک اُمت ہے اُمتوں میں سے“

اور جب کُتّوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کُتے کی شکار کے لیے حفاظتی کُتّے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روک دیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبّتِ کلاب کی بناء پر تھا، جُوں جُوں محبّت گھٹتی گئی، وُوں وُوں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علّت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہُوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبّت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہٖ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پَردہ کا حکم اِنسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پَردہ بلا شُبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہٖ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک عِلّت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علّت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دُوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشُبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضِد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں برملا ایک نَر اپنی اور دُوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ ہاتم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دُوسرے لفظوں میں اِنسانیہ غائب ہو گئی اور یُوں کچھ عقل معاش یعنی کھانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غائب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقف عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، بہیمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صورت میں نہ مکارمِ اخلاقی باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف و منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء و عفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہو جائیں تو انسانیت اور انسانی قومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لوط ختم ہو گئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے دعویٰ کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کر لیتی؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حُرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللہ یامر بالعدل والاحسانِ وایتاءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر ط (القرآن الحکیم)	"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کُھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (القرآن)	"اور زنار کے پاس بھی مت پھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔"

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

اب ظاہر ہے کہ زنا کاری کا راستہ ودواعی زنا رہیں اور دواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش ومنکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت دپاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی ۔۔

تفریحیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ وسماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہُوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدریجی طور پر اس کی نقل و حرکت کی بے قیدی ہے اور آزادئ نقل و حرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے تشبہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمت تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

[illegible]

جاہلیّتِ حاضرہ

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بےحجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیرِ زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خرُوج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پُکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ع

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلاشبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پُوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دلربایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حُسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کرلیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ دسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ر جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہوگی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں"

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشرِ خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات اُنکے اصول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دوسو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:۔

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پر بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے"۔ ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:۔

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"۔

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۳ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:۔

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعباب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"۔

(تعلیماتِ اسلام ص۱۰۷)

مسٹر جارج ایلین اینڈ الون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی ، استعمالی سامانوں کی نہیں ، انتخابِ حسن کی ! کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس ملک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس ملک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے ، اور نہ صرف اعضاءِ حسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے ، بلکہ اعضاءِ شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں ۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گوری ، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

ان "مشتے نمونہ از خروارے" اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایّام کے ہیں ، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی رَو میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگا کر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جا رہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اُس کا روشن تمدّن ہے جس کی طرف "مُدّعی سُست گواہ چُست،" کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بُلا رہے ہیں۔ مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جا رہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آجائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہو گئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دِلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے اُنہیں مُہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیتِ اولےٰ اور اس جاہلیّتِ اُخریٰ کے ان متعفّن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرّج جاہلیّت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادّی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیّت و قومیّت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعیٔ زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبوی ہے:-

إِنَّ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور کسی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کرے گا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبوی میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ أُمَّتِي الْعَزْلُ ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادیٔ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۔ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ نقل و حرکت میں نہ پڑیں۔"

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کے ساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندیٔ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو۔"

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرا دی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا رد و بدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآن کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن ۔

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔ نیز متاعاً اور اسے بھی باتنوین لاکر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدّن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثل حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مطالبات وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان اِن اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاعِ خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاء قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہر حال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم ستر اشخاص کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

[illegible]

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزہ کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوگی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غض بصر و تحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلےٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتدار میں، اتقیاءِ اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے۔"

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحتہ اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

" اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھن "

" جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

" لاتمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن "

"عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دُوسری روایت میں زمانِ صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضوار افشانی کے۔ اس لیے اجازتِ مسجد کو رات کے ساتھ مقیّد فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکیٔ شب کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں: ارشادِ نبویؐ ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"۔

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخورا فلا تشھد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت و التفات نہ ہو۔ ارشادِ نبویؐ ہے:۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد) "اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابوموسیٰ رضؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وان المراۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ ۔ (رواہ الترمذی)	"عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے"

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہل جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی ۔ حدیث ابوہریرہؓ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

لا تقبل صلوٰۃ امرءۃ تطیب للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)	"ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی جب تک وہ غسلِ جنابت نہ کر لے۔"

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے۔

ارشادِ ربانی ہے :-

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ نازوانداز سے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشادِ نبوی ہے :- انھوا نساءکم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور نازوانداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو"۔

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔ ارشادِ حق ہے :-

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم الاظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا :-

ولایبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ "اپنا سنگار نہ کھولیں (یعنی تک نہ دکھائیں) الا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"

(القرآن الحکیم)

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ۔ (القرآن الحکیم)	"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون	"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دُور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن	"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا، نگاہ بازی ہے"

اگر دُور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۰ (ابو نعیم فی الحلیہ) "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے"

پھر اگر مجبوراً اثناءِ راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی انس کی بُنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جسکے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاءِ زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

[illegible]

[illegible]

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں سے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :- "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها آخرها وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء آخرها وشرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اس میں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جسمیں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملت کی درایت وفراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:۔

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلن قامت الامام وسطھن۔ ہدایہ جلد اوّل

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھکر کھڑا ہونیکا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اوّل)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاؤین کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیگئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترو حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب طور پردہ کے بارہ میں کسقدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوتِ وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جوابی سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئی بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہئیت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے۔ ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آ پڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آ جائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوت ہو جائے یا کم از کم خلوت نظر میسر آ جائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آ جائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ ومخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حسی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی ودانتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت ومیلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے عولہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت وصلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہاءِ ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جُلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش وتوجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات وسکنات بھی ممتاز ہوں۔ آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قدر وقامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثیٰ کے حق میں امن وسلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سُنّتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازتِ جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دوسری صورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سُنّتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر وحجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت وکراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر وحجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہو گا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہو گا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہیئت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہیئتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا بھی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہیئت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ الگ کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہئیتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہئیتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہئیتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیّت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصّہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیّت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فساد صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کُھل جانے

پر ہے ، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے ، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں ، بلکہ ایک خارجی چیز ہے ، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں ، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں ، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور منشرح ہو رہا ہے ، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہرحال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شیٔ تھی ، جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّتِ امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں ! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔

اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے ، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفراد و تنہائی رغبتوں کو ابھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعثِ رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفراد و تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شانِ امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ ابھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدّتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیاتِ قابلِ التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آ جانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ الٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے با حجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماع محض یا ہئیت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعث صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفراد محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماع محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفراد محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماع محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہو گا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہو گی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماع محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات دادمات سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعثِ رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعثِ رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ باجمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد واجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد واجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ :-

بلاشبہ باعثِ رغبت دکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اُس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں، کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شئے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ :۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہو گا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللّٰہ الحمد

بہر حال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجتماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفراد محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعنوانِ حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا دمنع بے حجابی ہوگا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلا شبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت و ممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ اُن میں سے کوئی امامتِ صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر کے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:-

عن عائشۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی وابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حسی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل طھور المرأۃ ،	"ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"! (ترمذی جلد اول ص؟)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے ستر خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محل شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لاینوی النساء فی زماننا وفی	"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت
کلام شارح لفساد الزمان فان	کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شراح
الامام لایناسبه ملاحظة	اس کی حقیقت اور لم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ
النساء لتوجه الخاطر الیهن	وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ
(هدایه جلد اول ص۱۰۱)	توجہ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے۔"

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہر حال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب و شہادت کا قانون غیب و شہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم و تہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشا شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات و خیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت و عبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانے کا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بُو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں، کیوں؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخری کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں سیر گاہوں جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیتہ اور کہاں وہ مسلمانہ تموجِ حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجالہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتداً ہی نہیں آ گئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا اندیشی سے بالکل غیر مُضر سمجھ کر اختیار کیا لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنف نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادی خیال نے حجاب خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاء حسن کو بے نقاب کیا، سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :-

"فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :۔

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقہ لباس کو خیرباد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حیائی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دینِ الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے اہتدار میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزلوی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزلوی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کر دے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اِس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکا شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھلے کھلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھل کے کھل آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی جھگڑنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیروکار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدودِ خانہ اور قیودِ خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آ رہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حد و نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعتِ شوہر، گھریلو زندگی، اقربار سے پاک محبت و سلوک، حیاء و عفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خُود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآنِ کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موقع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۪ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۙ

"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعون دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عامۃً موقع تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسُو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرما دیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موقع تہمت میں تہمتہ لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

قابلِ لعنت ہیں تو یہ متہم عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

اس سے دوسرا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی یہ مدح فرمودہ بے خبری اور غفلت ان کے حق میں موضعِ مدح اور رفعِ تہمت کا ذریعہ ہے تو اس کے مقابل کالجوں، اسکولوں اور کلبوں سے حاصل کردہ باخبری، بیداری اور روشن خیالی بلاشبہ مذموم اور موضعِ تہمت ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر یہ دونوں متقابل اوصاف قابلِ ستائش ہوں تو یہ تخصیص و کرارِ تخصیصِ مدح عبث ٹھہر جائے گی۔

پھر اسی سے تیسرا نتیجہ خود بخود یہ بھی نکل آتا ہے کہ لڑکیوں کے حق میں اس قسم کی بیداری پیدا کرنے والی اجتماعی تعلیم گاہیں اور اجتماعی پلیٹ فارم بلاشبہ وسائلِ تہمت اور ان اسبابِ تہمت کو "تعلیمِ نسواں" کے نام سے مہیا کرنے والے ان کے دوست نما دشمن ہیں جو انہیں انجام کار بداخلاقیوں کی راہ پر لا رہے ہیں۔

اس سے چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جو عورت اپنی خلقت اور ساخت کے لحاظ سے پاکدامنی کے دائرہ میں حوادثِ عالم اور نفسیاتِ رجال سے بے خبر ہے اور بے خبر رہنا ہی اس کے حق میں صفتِ مدح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ عورت اس بے خبری اور بے شعوری پر کب یہ منصب رکھتی ہے کہ وہ تمدنی قانون سازی میں حصہ لینے کی حقدار ہو۔ اگر حصہ لے گی تو اس کی نفسیات سب سے پہلے خود اپنی آزادی کو ملحوظ رکھ کر قانون بنائے گی اور اس کی آزادی کے وہ نتائج ہیں جو ابھی سامنے لائے گئے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ عورت کی شرکت سے بنا ہوا قانون سیہ کاریوں کی تخم ریزی کافی حد تک کر سکے گا جو انجام کار تخریبِ عالم کا باعث ہوگا۔

چنانچہ یورپ اپنی عورت کو آزادی اور حقِ قانون سازی دے کر قانوناً اور

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون اداکی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرمادیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ ”جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو“۔

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس برائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیا سوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نص قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہو گا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہر حال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجام کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عند اللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ :-

واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط
"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہلِ بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا مفز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے ان کے قلوب میں جذبات صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء و اقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعت اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آکر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمار تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹا آر لاہور لکھتا ہے کہ:۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آرہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آکر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیث دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہر حال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیاء کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ و اخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:-

پردہ پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی و داعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد معترضیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند یعنی اگر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا۔ کیونکہ مجرب یہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر انہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آ جائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتوے صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیتہ ہی ترکِ معصیتہ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصُول پر ہے تو اُنہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھُپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرص مزید کے ساتھ اس پر اور قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہو گا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھا لیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبُود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھ رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مورّخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کرتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایک دوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب بُرائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوے کہ :-

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِّباب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِّباب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِّباب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِّباب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہُنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا اُلٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسّی کا انجکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حِس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ کسی شئے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے یہ کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دیجائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدیجائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شئے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غضب وظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوٰا وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ شدید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلادیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہوسکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑ کر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا۔ کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؟ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم و یقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے منہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاحی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذتوں کی ناپاکی و خباثت اور روحانی مضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر اقتصادیوں کے

اس بے بنیاد وہم کی بنیاد تھی، کلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجابِ نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ، نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ انہیں تازہ ہوا میسر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیئے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دینوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں اُن کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہر حال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طولِ قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حدِ ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہیں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھروں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آ پڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہر حال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تا مشغولئ فرائض دفاتر کی چہار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشت کار کھیت کے رقبہ میں مقید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قُلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں اُن کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیس گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و برباد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر اُنہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہوا ہے۔ اس کی طبعی حدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کاروبار سے معطّل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی اپنی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دوراز کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی تبدو بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابی صحت اگر کسی حد تک تسلیم کر لیجائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو ان کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔ یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاءِ شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہوگا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پر ہر وقت ہی بار رہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

[illegible]

[illegible]

عورتیں قابل اور مردمیت رکھنے والے شوہروں کی تلاش میں دربدر بھٹکتی پھرتی ہیں مگر وہ شوہر نہیں ملتے جن میں رجولیت رہ گئی ہو اسی لیے تاہنوز ماری ماری پھرتی ہیں۔ جرمنی میں فی ہزار ۳۵ عورتیں، قابل شوہروں کی متلاشی ہیں۔ ہسپانیہ میں فی ہزار ۴۴، بلقان میں فی ہزار ۵۰، سوئیٹزرلینڈ میں فی ہزار ۵۶ انگلستان میں فی ہزار ۵۹، فرانس میں فی ہزار ۶۰، جنوبی امریکہ میں فی ہزار ۱۵۹ ‘‘

یہ نہیں کہا گیا کہ ان ہزارہا عورتوں کو شوہر دستیاب نہیں ہوتے بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسے شوہر نہیں ملتے جن میں مردمیت ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ یورپ میں لاکھوں ایسے انسان موجود ہیں جو ضعفِ باہ یا امراضِ باہ میں گرفتار ہو کر اپنی باہی قوت کھو چکے ہیں اور نسل جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے اور نہ ان کی صحت ہی اس درجہ کی رہی کہ کسی تدبیر کے ذریعہ اپنی مردمی کا اعادہ کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بلاشبہ آزادانہ تعیش اور بے حجابانہ عیش کوشی ہی کا ہے جس نے مردوں کو نامرد اور عورتوں کو مایوس کر رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی محروم شوہر عورتیں کیا نہ کرتی ہوں گی اور کیا کچھ امراضِ خبیثہ کا شکار نہ ہوتی ہوں گی؟ جماع بے تحاشا کا سب سے گہرا اثر دماغ اور قوائے دماغ پر پڑتا ہے، آنکھیں اور بینائیاں اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ آج ان تمدن آزاد آبادیوں کا بلحاظ بصارت کیا حال ہے جو عورت و

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :-

" تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :-

" بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۰ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیائے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

چشم ہی کے اعداد و شمار قابلِ ذکر نہیں بلکہ عام دماغی فتور اور دیوانگی میں اس سے بھی زائد یورپ کو ترقی کرنے کا موقع ملا ہے۔

نیوز آف ورلڈ لندن، ۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء رقمطراز ہے کہ :۔

"فتورِ عقل و دماغ میں دیوانے مریضوں کی ترقی پچھلے چھ سال میں ۲۵۴۷۰ سے کر کے ۶۱۵۲۲ تک پہنچ گئی ہے اور سالِ رواں کے شروع میں ۱۳۸۲۹۳ تک ہو چکی ہے، یہ مقدار سالِ گذشتہ کے مقابلہ میں ۲۴۰۳ زائد ہے۔"

(اخبار سچ ۹، نومبر ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر امراضِ باہ اور امراضِ دماغ ہی پر بس نہیں بلکہ اس قومی ضعف و انحلال کے سبب ولادتوں میں جو انحطاط و تنزل پیدا ہوتا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ان متمدن آبادیوں (مغربی ممالک) نے اپنی آزادی اور عیاشی کی بدولت جسمانی تنزل اور ناکامیٔ حیات میں جو ترقی کی ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں اور جسطرح کوئی ایشیائی خطہ اسکا مقابلہ بے حیائی میں نہیں کر سکتا، اسی طرح بے حیائی کے ان نتائج میں بھی نہیں کر سکا۔ پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"فرانس کی سرکاری کونسل (چیمبر آف ڈیپوٹیز) کے ایک ممبر نے ۲۹ نومبر کو اپنی مدلل و مفصل تقریر میں بیان کیا ہے کہ فرانس کی آبادی جس تیز رفتاری کے ساتھ گھٹ رہی ہے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ روز کے بعد ملک میں نہ فوج کے لیے کوئی سپاہی ملے گا، نہ جہاز رانی کے لیے کوئی ملاح اور نہ جوتنے کے لیے کوئی کاشت کار۔"

کو تو گیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی کا ہے۔ ضعف بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۲ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۳۶۱۸، بخار سے ۴۰۰۷۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۲ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعف بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳،۰۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۴۶۱۸۴، بخار سے ۴۰۰،۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۲ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھو دی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دُنیا کے مریض و ناتواں ہوجانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوے کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلیٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دَور میں بھی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

اس قسم کے غلط نتائج لوگ اُن کی ظاہری شوخی وشنگی سڑکوں اور تفریح گاہوں
میں بے حجابانہ اُچھل کود، جہالت ونخوت آمیز جرأت وجسارت اور آزادی و
آزادروشی کو دیکھ کر نکال لیتے ہیں، حالانکہ قوت وصحت اور چیز ہے اور اس قسم
کی بے حجابیاں اور شوخیاں اور چیز۔ ساتھ ہی بڑی وجہ اس قسم کے خیالات قائم
کر لینے کی یہ ہے کہ ان کی ہر بد سے بدتر خصلت کی پُشت پر شوکت وحکومت کی نمود
ہے، جو عامۃً مفتوح اور غلامی زدہ قلوب کو مرعوب کر لیتی ہے، ان کی کمزوریاں
دامنِ حکومت میں چھپی ہوتی ہیں اور مفتوحوں کی خوش ادائیاں بھی غلامی کی بوسیدہ
اور سڑ بل قبا ر میں بدنما دکھائی دیتی ہیں، اس لیے عامۃ الناس کے خیالات کی
رَو اس شوکت سے مرعوب ہو کر اسی طرف بہہ نکلتی ہے کہ انہی کے جذبات اچھے۔
انہی کی صحت اچھی، انہی کی قوت اعلےٰ، اور انہی کی ہر ادا تہذیب وشائستگی سے
بھرپور ہے۔ حالانکہ دانا قلوب کے نزدیک محاسن جہاں بھی ہوں محاسن ہیں۔
اور برائیاں جہاں بھی ہوں، برائیاں اور عیوب ہی ہیں۔

بہرحال اعداد وشمار سے ظاہر ہو گیا کہ ان پردہ شکن اور آزاد قوموں کی صحت
اور اندرونی حالت یا غیر نمائشی زندگی سب سے زیادہ بدتر اور قابلِ نفرت ہے
اور جبکہ پردوں سے باہر نکل کر اور ہر قسم کی آزادی سے مُستفید ہو کر بھی یہ قومیں
امراضِ عامہ کا شکار ہیں اور کسی طرح صحت وقوت کی اس بلند سطح پر نہ پہنچ
سکیں جس کے بلند بانگ دعاوی سے آج گنبدِ عالم گونج رہا ہے تو پھر آخر ان
بے حجابیوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ اور پردہ داروں کو پردہ نے کیا مضرت
پہنچائی؟ بلکہ الٹا نتیجہ یہ ہے کہ ہزارہا وہ امراضِ خبیثہ جن سے اس مرزبوم کے

[illegible]

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلمّو قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل بتلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً، نقلاً و تجربتہً و مشاہدتہً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل وکمال کی بہتات اور اُسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطور ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن وسنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزارہا علماء جو مرد تھے، انکے علم وعرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم و کمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل و کمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نا منظور ہوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانح عمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جیسے فضل و کمال کو لسانِ نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامِل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب و انفعال ہوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہہ کا املاء کرا رہے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع و مباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون کذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا و عفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اُوپر کے طبقات میں ازواج مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پر پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر نہج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کر چکی ہے اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علمائے اور صحابہؓ پس پردہ ان سے مسائل حل کرتے تھے اور علوم نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آگیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصب نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلیٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابن عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابن زہر کی بہن اور بھانجی علم طب اور فن حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتب حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابن سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فن خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفتہ میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبّادِ زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابنِ عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبولِ بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزارہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوعی کومات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالمات کی سوانح عمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغتہ و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گذری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدۂ شاہ سُلیمان کی مصاحب خاص اور حُسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کر لیگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زَر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پُر چاہتی ہوں
من از دہنِ مارِ شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیر نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعد اللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جبکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس سے پرواز کرکے عرش تک جا پہنچتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہو جاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشید آں شیر نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہین منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاء وقت تھیں اور مردان سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنف نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اوران کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذ اللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیور علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمہ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور فقہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہوگا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خودغرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعث جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعث علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جارہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیاء باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ :۔ "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالے اُسکے قلب میں وہ علم و معرفتہ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہوگا (او کما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بد نگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فناء کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم وعرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردۂ حجاب تھا جو اپنی حد پر قائم تھا تو علم و معرفتہ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیاء و عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشوونما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے :۔

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الہٖ ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم وعرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمحِ نظر بنائے ہوئے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمدللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آچکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بےپردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دیگئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات وآیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹے تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بحدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دُوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بحدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاءِ خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں، محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاء حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جدا کر کے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو نحوش رو چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ چوتھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(۵) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنیٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر بار، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:-

"اس لیے جواز بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو۔"

(۶) بعض لوگ یہ شُبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناءِ جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے مُنہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب اُنہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تاکہ اُنہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذارسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہوگیا، اسی پر پُورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیونکہ اس سے تو پَردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انھوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جاسکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے اوناءِ جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوتی۔"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنےٰ کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاءِ پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادتًہ وہاں شہوانی جذبات کے ابھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنےٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ ابھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں ابھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ علت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پرامن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

" بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے "

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب و سنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود و قیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداء تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

پردہ جزوی یا کلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہوگا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا. جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اُٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نوعمر اور نابالغ بچی محل شہوت بنتے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی ملمائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات سے کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا. خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑک سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے. گویا فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہوا.

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں. اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے. تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں ہوتیں. ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے.

غرض فحش کا مظنہ جزوی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزوی رہ گیا. پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت وبموجودگی اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

توجس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی منظنہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اٹھ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اولین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہو گی؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہو گا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آسکے گا؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہو گا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویہ، باندی، منگیتر اور معبوثہ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہوجانے سے مرتفع ہوجاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیّت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کرکے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا ر کی لذّت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذّت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پَیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذّت لینا اور تمنّا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پَیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیّل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محل فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفّت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذالعمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ وسماع وغیرہا میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پسِ پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پَیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دُور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندش ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسبِ ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذ العمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہو گی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہو گی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہو گی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہو گا۔ غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ للٰہذا موجودہ دور بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ للٰہذا یہ تنگ دتندر رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رُخی راہوں سے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دَور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہیں۔

حالانکہ وہ تنگیٔ نظام حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمینِ شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعہ کے باوجود مسجد حرام اور مسجد نبویؐ کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو پیکرِ تقویٰ خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

کو باغ وراغ کی زینت کلب و پارک کی رونق، بازاروں اور سیرگاہوں میں آلۂ تفریح اور ڈانس ہالوں اور ناچ گھروں میں پوری زیب وزینت کے ساتھ زیبِ محفل دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اسلام کے نظامِ حجاب کو آج کی نام نہاد مہذب اقوام کے تمدن و معاشرہ کی عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں جس سے انہیں یہ نظام ڈھیلا، معطل اور از کار رفتہ دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ از کار رفتگی اس نظام کی نہیں بلکہ ان کی ڈھلی ہوئی نگاہِ بصیرت کی ہے۔ جس کی روشنی کو موجودہ برقی تمدن کی نمائشی چمک دمک نے اچک لیا اور ناکارہ بنا دیا ہے۔

درمیانی راستہ پر وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو اس افراط و تفریط سے ہٹ کر اس درمیانی پروگرام پر ہیں جس کی تفصیلات ابھی سامنے لائی گئیں۔

اس لیے تفصیلاتِ بالا پیش کر کے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ اس دورِ الحاد و فتن میں لوگ اپنی حیاء و عفت اور اپنی باحیاء و عفت مستورات کی حیاء و عفت کی حفاظت کریں گے جس کا راستہ سوائے شرعی نظامِ حجاب کی پیروی کے دوسرا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

محمد طیب غفر اللہ لہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۲/۱/۸۵ھ

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور

فون ۷۳۲۴۴۱۲-فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

لاہور ــــ ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان

فون ــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ــــــــــ موہن روڈ

چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk

web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۝ القرآن

اور (اے نبی) آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

شرعی پردہ

اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت، اہمیت اور اسکا قرآن و حدیث سے ثبوت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ (القرآن)

(ترجمہ) اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

شرعی پردہ

"اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا حسین مرقع، پردہ کی ضرورت اور پردہ کی اہمیت کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کیے جانیوالے اشکالات کا بہترین حل۔"

از

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

باہتمام ______ اشرف برادرز

ناشر ______ ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ______ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد ______ ایک ہزار

کتابت ______ مشتاق احمد

قیمت ______

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۷۲۳، فیکس ۶۳۷۴۱۸۵-۴۲-۹۲

★ — ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون — ۷۲۲۴۹۹۱ - ۷۲۵۲۲۵۵

★ — موہن روڈ
چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید اور وجہ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیادیں کتاب وسنّت، ان کی فقہی تشریحات اور تعامل سلف میں قائم ہیں اور وہ ان ہی بنیادوں پہ ہر دور میں بلا انقطاع اُمتِ مرحومہ کا معمول رہتا آرہا ہے۔ وہ کوئی فرضی یا اختراعی چیز نہیں جسے کسی فرد یا سوسائٹی نے ہنگامی مصالح کے تحت تجویز کر لیا ہو اور اس کے سواج پذیر ہوجانے سے مسلمانوں کے ماحول میں اسے خواہ مخواہ شرعی حیثیت دیدی گئی ہو، کہ نہ یہ واقعہ ہی ہے اور نہ ہی اس جامع دین اور اس کے مکمل اور محفوظ شرعی دستورِ زندگی کے شایانِ شان ہی ہے، جس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی، مگر ایک عرصہ سے اُس کے ساتھ فطری اور عملی طور پر افراط وتفریط کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔ جس سے عوام کی نظر میں شرعی حیثیت اور بنیادی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور وہ مختلف شکوک وشبہات اور سوالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ میں صحتِ نظر کے ساتھ جہاں تک عملی فروگذاشتوں کا تعلق ہے چونکہ

ان کا اِرتکاب فروگذاشت ہی سمجھ کر کیا جاتا رہا، جس کی زد عقیدہ ونظر پر نہیں پڑی اس لیے معمولی تنبیہ وموعظت کارگر ہوتی رہی اور صرف بیانِ حکم کافی ثابت ہُوا۔ موجودہ دلائل کے مورچے قائم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب سے مغربی تہذیب کے زیرِ اثر بے پردگی کی مسلسل مشق نے نقطۂ نظر میں بھی فرق اور خلل پیدا کر دیا جس کے ماتحت پردہ وبے پردگی دونوں ہی نے افراط وتفریط اور ایک دوسرے کے ردِّ عمل کی صورت اختیار کر لی۔ جس سے اصول اور حدود دونوں مشتبہ ہو گئے۔ ایک طرف پردہ کی شرعی حدود کو علماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا، اور دُوسری طرف کھلی بے پردگی کی جگہ پردہ دری کو نہ صرف مصلحتِ وقت بلکہ منشاءِ شریعت باور کرایا جانے لگا۔ اِدھر اس کے برعکس ایک طرف تو پردہ کے بارے میں کسی شرعی گنجائش کا سامنے لایا جانا بھی پردہ دری، بلکہ شرعی خلاف ورزی کا مرادف قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف پردہ کی کتنی ہی رواجی تنگیوں اور پردہ نشینوں کی رسمی جکڑ بندیوں کو بھی پردہ کے بنیادی حکم کی حیثیت دی جانے لگی تو ضرورت پیش آئی کہ پردہ کے بارے میں استدلالی صورت اختیار کی جائے اور وجوہ و دلائل سے اُس کی بنیادی حقیقت اور شرعی صورت واضح کی جائے چنانچہ مختلف علماءِ کرام اور اہلِ فضل وکمال نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اور سیر حاصل بحثیں کر کے اُس کی شرعی بنیادیں واشگاف کیں اور شرعی صورت نکھار کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی۔ ضرورت نہ تھی کہ اس میں مزید کاوش

کہ کسی مقالہ یا رسالہ سے اس میدان میں جگہ گھیری جائے۔

لیکن جب کہ مختلف زمانوں میں اس مسئلہ پر شبہات کا عمل مختلف اندازوں سے رہا اور اُسی نسبت سے ردِّ شبہات کے عنوانات بھی مناسب وقت اختیار کئے جاتے رہے۔ ادھر مخاطبوں کے فہم و نظر کے تفاوت سے اُن کا انداز قبول و تسلیم الگ الگ رہا۔ جو رنگ جس کی طبیعت کے موافق پڑ گیا اُسی رنگ کے جواب کو اُس نے قبول کر لیا اور اُسی میں اپنے قلب و دماغ کی تسکین کر لی۔ اس لیے کسی دَور میں بھی کسی بیان کو نہ تو آخری اور مختتم بیان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نئے عنوان بیان اور جدید اسلوب کلام کو غیر ضروری یا غیر مُفید کہہ کر رَد ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ جس دَور میں بھی کوئی قلم کسی مسئلہ پر اُٹھایا گیا وہ یقیناً وقت ہی کے تقاضوں کے ماتحت اُٹھا اور اس لیے اُٹھا کہ وقت ہی شبہات کے نئے رنگ ڈھنگ لے کر آیا، اور وقت ہی نے ردِّ شبہات کے نئے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے، جس سے شبہات اور ردِّ شبہات دونوں میں وقت ہی کے تقاضے کار فرما ہوتے رہے ہیں جو مناسب وقت پر سانچوں میں ڈھل ڈھل کر اَبنائے وقت کے لیے تسکین و تسلی کا سامان بنتے رہے۔ اس لیے مَیں تو سمجھتا ہوں کہ اہلِ عصر کا ذہن صحیح کرنے کے لیے اسی زمانہ کا اندازِ بیان اور طرزِ تفہیم بہ نسبت گزرے ہوئے دَور کے طرزِ کلام کے زیادہ مؤثر، زیادہ نافع اور زیادہ مصلحِ فکر و عمل ثابت ہو سکتا ہے جس عصر میں یہ اہلِ عصر وقت گزار رہے ہوں۔

پس آج جب کہ پرانا وقت گزر چکا۔ اُس وقت کی ذہنیت بھی ماضی ہی ہو چکی اور اِس دَور کے شکوک و شبہات کا سرمایہ بھی ختم ہو چکا تو اس وقت کے مناسبِ حال ردِّ شبہات کے طریق بھی غیر ضروری ہو چکے۔ نیا دَور، نئے ذہن، نئے وسوسے، نئے ہی اندازِ جواب کے متقاضی ہیں اس لیے مسئلہ حجاب کے بارے میں ان قدیم رسائل و مقالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مناسب وقت نیا مقالہ پیش کر دیا جانا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور نئے ذہنوں کو نئی راہ سے منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ ورنہ اور کچھ بھی نہیں تو عنوان کی جدّت اور بدلے ہوئے طریقِ استدلال کی نوعیّت کم از کم تفنّن بیان کے سبب مسئلہ کو ذہن نشین کرنے اور نئے ذہنوں کو اس کی تذکیر و یاد دہانی کرانے کے فائدے سے تو خالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خود ایک مستقل اور عظیم فائدہ ہے۔ اس صُورت میں مسئلہ کا مواد تو پرانا ہو گا اور تصویرِ مسئلہ کا ڈیزائن نیا۔

بہر حال یہ ایک حقیر سی سعی ہے، اگر اہلِ فضل و کمال کے لیے کوئی خصوصی کشش اپنے اندر نہیں رکھتی تو کم از کم عامۃ المسلمین کے لیے بشرطِ توجہ ضرور نافع اور کار آمد ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی علّت

پردہ خود مقصود نہیں اُسکی بنیادی حقیقت مقصود ہے

مسئلہ حجاب اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ اصُولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی نہ کوئی بُنیادی علّت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اُس علّت کی بناء پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ وہ علّت نص و آیت و روایت ، کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں لپٹی ہو، جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ بہر صُورت حکم میں کسی نہ کسی علّت کا ہونا ضروری ہے۔ جو مدارِ حکم ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بنیادی علّت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی ہے ، اگر مثبت حکم ہے جسے اَمر کہتے ہیں، تو اس کے ذریعہ اس علّت کا استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس زیرینہ علّت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے۔ پس یہ حکم اپنی متعلقہ علّت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتا ہے جس کا مقصود اصلی ردّاً یا اثباتاً یہی علّت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ اندریں صُورت علّت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اسمیں ضعف پیدا ہو جاتے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

بُنیادی عِلّتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مِثال

مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بُنیادی عِلّت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے، جس کا نام شرک ہے۔ اسی سے بچنے کے لیے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیوں کہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بُت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بُنیاد ثابت ہوئی ہے۔ قومِ نوح عملاً اس میں مُبتلا تھی تو اُس کے مٹانے کے لیے نوح علیہ السّلام مبعوث ہوئے۔ قومِ ابراہیم بُت گر اور بُت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السّلام بُت شکن بن کر آئے۔ قومِ موسےٰ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے منعا میں مُورتی پُوجا دیکھی اور حضرت مُوسےٰ علیہ السّلام سے خواہش کی کہ اُنہیں بھی ایسے ہی برنجی معبُود بنا دیئے جائیں تو اُنہوں نے سختی سے یہ کہہ کر جھڑکا کہ :-

اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ۔ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت درحقیقت انسدادِ شرک کے لیے تھی۔ جہاں اور جس قوم میں اس کے جراثیم پائے گئے وہیں ان روحانی اطباء انبیاء علیہم السّلام نے اُن کا آپریشن کیا، شریعتِ اسلام چونکہ جامع مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لیے اُس نے وقوعِ شرک کا انتظار کیئے بغیر اسبابِ شرک اور احتمالِ شرک پر

بھی انسدادی احکام جاری کیے اور تصویر کی ممانعت، بلکہ استعمال میں بعید سے بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا، مگر علتِ ممانعت وہی رذیلۂ شرک اور اس کا انسداد رہا۔ پس ممانعت تصویر کا حکم درحقیقت علتِ شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی باقی نہ رہے گا۔ عالم برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال وجواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے کہ "من ھذا الرجل"؟ یہ کون ہیں؟

ظاہر ہے کہ ادھر تو ملائکہ علیہم السلام شرک کے واہمہ تک سے بری اور ادھر میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں، جبکہ ہر دو فریق کو وہاں وحدانیتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اس لیے وہاں تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز بنصِ حدیثِ جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی، جن کی قیمت ذکر اللہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سارے اہلِ جنت اربابِ کشف وشہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہو گا۔ اس لیے وہاں ممانعتِ تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ ورنہ جو چیز بذاتہ قبیح ہو گی وہ جیسے دُنیا میں حرام ہو گی، جنت میں بھی حرام ہو گی۔ زنا نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز، جھوٹ اور دنگا فساد نہ یہاں جائز، نہ وہاں جائز۔ فرق یہ ہے کہ یہاں اس سے بہ تکلف اور بزورِ عقل وہمت بچا جاتا ہے اور وہاں بداعیہ طبع، ان امُور سے نفرت ہو گی، بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا، اگر تصویر بھی بذاتہ قبیح اور مُنکر

ہوتی تو دُنیا کی طرح جنت میں بھی اُس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا۔ اِس سے واضح ہے کہ وہ صرف ذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود نہ ہو، جیسے عالم برزخ اور آخرت اس تدبیر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

خود شریعتِ اسلام نے شرک کے ریشے ختم کرنے کے لیے تصویر کی شدّت سے ممانعت کی۔ مگر علّتِ ممانعت وہی احتمالِ شرک قرار دیا ہے۔ اس لیے دُنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکمِ ممانعت بھی نہیں۔ غیر ذی روح مثل مکان، درخت، سینری، دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر عادۃً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں، پھر ذی روح افراد میں اگر سر کٹی تصویر ہو یا اتنا حصّہ کٹا ہُوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالتِ زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کہ مقطوع الراس سر کٹی تصویر، کی پُوجا نہیں کی جاتی یا پُورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنادی جائے۔ جس سے چہرے کے خدوخال میں فرق پڑ جائے تو پھر یہ پُوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہین تصویر کی ہے، تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بُنیاد پڑتی۔ یا قلم بھی نہ پھیرا جائے۔ مگر تصویر کو جُوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی حکم ممانعت اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تصویر کو پامال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم ہے تو ضدین کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ تصویر خود بذاتہٖ ممنوع نہیں ہے ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دُنیا

میں تصویریا اور اُس کے مذکورہ افراد ہر گز مباح نہ قرار دیئے جاتے بلکہ اس کی ممانعت رذیلۂ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے اس لیے وہ شرک کے امکانات ہی کے وقت ممنوع رہے گی، ورنہ نہیں۔

حُرمتِ سُود کی مِثال

مثلاً معاوضات کے سلسلہ میں سُود کے حکم ہونے کی بنیادی علت صاحبِ معاملہ کے مالِ مملوک میں سے مقدارِ سُود کا بلاعوض اور زائد از حق جھپٹ لینا ہے، جو بلاشبہ ظلم و غصب اور غارت گری ہے۔ پس سُود کی ممانعت اس بیجا چھین جھپٹ اور ظلم و غارت گری کی علت کی وجہ سے ہے خود بذاتہٖ زیادہ کا لیا جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ یہی مالِ مملوک اگر معصوم ہونے کی بجائے کسی وجہ سے مباح قرار پا جائے، جیسے کفّار حربی بن جائیں اور اُن کا جان و مال مباح ہو جائے تو اُس میں سے مقدارِ سُود کا لے لیا جانا بھی ظلم اور غارت گری نہ رہے گا۔ اس لیے ممنوع بھی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیلی صورتیں موجود ہیں۔

حُرمتِ شرابؔ کی مِثال

یا جیسے شراب کی حُرمت علتِ سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے، گویا شراب سے روکا جانا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیتِ نشہ سے بچانا ہے، جس نے اِس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ یہ کیفیتِ نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جُدا نہیں ہے، اس لیے اس سے

بچاؤ کی صورت بجز اس مشروب سے روک دیئے جانے کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ فی نفسہ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں۔ اگر اس میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ انگور یا کھجور کے اس زلال اور نچوڑہ میں جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو یا اُبھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں تو اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگیگا حالانکہ یہ وہی سیال مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کے بعد فوراً ہی زیرِ ممانعت آکر حرامِ خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیال مادہ میں مثلاً نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل دواؤں یا دوسری استعمالی اشیاء میں ملا دیئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اُڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ جیسے خمر سرکہ بن جائے تو تبدل ماہیئت سے وہی مشروب اب بجائے حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیال مادہ وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیل ہیئت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہر حال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے۔ ممانعت مشروب مقصود نہیں، اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت درحقیقت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی، جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی۔ ورنہ رخصت ہو جائے گی۔ البتہ بقاء نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح حرام

رہے گا جس طرح پورا جام وسبو حرام تھا، اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ نہ چڑھے، کیونکہ اس میں بقدرِ حصّہ دُجُبّہ نشہ ضرور موجود ہے، خواہ اُس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا بچّہ کا نشو و نما ہر ہر ساعت اور ہر ہر پل ہوتا رہتا ہے۔ مگر قلّتِ مقدار کی وجہ سے اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتدبہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا احساس ہوتا ہے۔ پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدار قلیل کے عدم کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح قطرات شراب میں جزدی نشہ کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہٖ مقصود نہیں۔

قتلِ کلاب کی مثال

اسی طرح ضعفِ عِلّت کی وجہ سے حکم میں بھی ضعف آجاتا ہے کہ مدارِ حکم علّت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے کُتّوں کے قتلِ عام کا حکم دیا، جس کی عِلّت کُتّے کی محبّت تھی جو اہلِ جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدّن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتّوں کی محبّت مستولی ہے اس علّت کے استیصال کے لیے شریعت نے ابتداءً کتّے کی جنس کے قتلِ عام کا حکم صادر کیا۔ مگر جُوں جُوں محبّت کم ہوتی رہی، دُوں دُوں اس حکم کی شدّت بھی ختم ہوتی رہی ابتداءً ہر کتا واجب القتل تھا۔ جب محبّت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کُتّوں تک محدود رہ گیا جب محبّت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکمِ ممانعت بھی اُٹھ گیا اور فرما دیا گیا:

مالنا و للکلاب "ہمیں کتوں سے کیا تعلق کہ انکے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک امت ہے امتوں میں سے"

اور جب کتوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اُس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی۔ جیسے شکاری کتے کی شکار کے لیے حفاظتی کتے کی، حفاظت کے لیے، البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت عود نہ کر آئے، تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاطِ عام سے روک دیا گیا کہ ملائکہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتلِ کلاب کا مسئلہ محبتِ کلاب کی بناء پر تھا، جوں جوں محبت گھٹتی گئی، ووں ووں حکم میں ضعف آتا گیا، تا آنکہ استیصال علت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا، جس سے واضح ہوا کہ قتلِ کلاب کا حکم اُن کی محبت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا۔ خود بذاتہ مقصود نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

پردہ کا حکم انسدادِ فحش کے لیے ہے

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسی مہلک اور خطرناک علت سے بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی سب ہی کے لیے سمِ قاتل ہے اور اس کے متعدی اثرات سے کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ اس مہلک علت کو قرآن حکیم نے

فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دُوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عُریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

فحش کے آثارِ بد

وجہ یہ ہے کہ فحش حیاء و عفت کی ضِد ہے، حیاء کا تعلق عقل و خرد سے ہے اور فحش کا لاعقلی اور سفاہت سے، جانوروں میں بر ملا ایک نَر اپنی اور دُوسرے کی مادہ پر جست کرتا ہے تو نہ اُسے عجیب سمجھا جاتا ہے، نہ اس حیوان کے لیے مہلک اسلیے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ انسان ایسی حرکت کرے تو لوگ انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم قسم کے بے حیاء انسان بھی اسے بری ہی نگاہ سے دیکھتے اور برائی سے اُسکا چرچا کرتے ہیں۔ فرق وہی عقل و بے عقل کا ہے جس سے واضح ہے کہ فحش، بے حیائی آتی

تو دُوسرے لفظوں میں اِنسانیہ غائب ہو گئی اور یُوں کچھ عقل معاش یعنی کمانے کھانے کی عقل رہ ہی گئی اور عقل معاد یعنی نجات اُخروی حاصل کرنے کی عقل غائب ہو گئی تو محض اس طبعی یا دنیوی عقل سے انسانیت کا بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے کمال پر باقی رہ سکتی ہے اور جب انسان، انسان ہی نہ ہو، جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے تو اس کی انسانیت کی تباہی اور بربادی میں شک کی کونسی وجہ باقی رہ گئی ؟

لیکن پھر بھی بربادی کا یہ منظر نظری ہے۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو جو قومیں عقل و خرد کے زوال یا ضعف و اضمحلال کے سبب ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اس مہلک علت "فحش" کا شکار ہوتی ہیں طبعی طور پر ان میں رشتۂ زوجیت اور سلسلۂ مناکحت بھی سست پڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طبعی خواہش کی جب ایک نفسانی راہ نفس کے لیے متعین ہو جاتی ہے تو دوسری روحانی یا اخلاقی راہوں کی طرف خود ہی متوجہ نہیں رہ سکتا۔ مزدکیوں میں یہ فحش آیا تو اباحیت پھیل گئی اور عورت ایک وقفِ عام کی حیثیت میں آگئی جسے ہر مرد ہر حالت میں استعمال کر سکتا تھا۔ سفاح (زنا) پھیل گیا اور نکاح رخصت ہو گیا، بولشویکوں میں فحش پیدا ہوا تو وہی اباحیت آئی۔ نکاح کا حقیقی رشتہ کالعدم ہو گیا، اور عورت پر ہر مرد بلا روک ٹوک جست کرنے لگا اور جہاں ایک طرف گدھوں اور کتوں میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا تھا۔ وہیں دوسری طرف بعینہٖ وہی نظارہ ان انسان نما جانوروں میں بھی نظر آنے لگا۔ یورپین اقوام میں فحش کی کیفیات گھسیں تو وہاں بھی رشتۂ نکاح ٹوٹ کر سول میرج کی صورت پیدا ہو گئی، جو ایک باضابطہ زناء ہے، جس میں مذہب کی قید ہے نہ قومیت کی اور سب جانتے ہیں کہ قطع نکاح کا اثر قطع نسب ہے اور انقطاعِ نسب یا خلطِ نسب کا اثر آبائی اور خاندانی خصوصیات ہی کا نہیں، انسانی آثار کا بطلان، حقوقِ وراثت کی پامالی، باہمی اخلاق کی آبیاری اور آدمیوں کا جانوروں کی طرح بے خصوصیت، بے حق اور بے خانماں ہو جانا ہے اور سب کے ساتھ اس جنسی ہوس کا ہمہ وقت تسلط یا انسانی نسل کی تقلیل ہے۔ یا بہائم صفت انسانوں

کی وقتی تکثیر ہے اور دونوں صورتوں میں نسلِ انسانی کی تباہی ہے۔ اس صُورت میں نہ مکارمِ اخلاق باقی رہ سکتے ہیں، نہ شرافت طبائع قائم رہ سکتی ہے اور نہ انسانی جوہر ہی چمک سکتے ہیں، نہ نیکی بدی کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے۔ نہ معروف؟ منکر کی تمیز ٹھہر سکتی ہے۔ نہ حیاء وعفت اور نیک طینی کا مادہ ہی جم سکتا ہے جو روحانی بربادی کی آخری شکل ہے۔ مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہلاکتیں مسلط ہوجائیں تو انسانیت اور انسانی تومیتیں اپنی اصل پر کب باقی رہ سکتی ہیں، پھر ہوسکتا ہے کہ کسی عام عذاب کا شکار بن کر یہ طبقہ کا طبقہ ہی ختم ہو جائے جیسے قومِ لوط ختم ہوگئی یا کسی ہمہ گیر بیماری اور وباء سے جیسے طاعون اور آتشک وغیرہ میں پھنس کر زندگی اور اس کا حقیقی لطف کھو بیٹھے، بہر صورت انسانیت بجائے خود باقی نہیں رہتی۔ یہ فحش اس طرح آخر کار قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے جیساکہ ہم نے دعوی کیا تھا۔

اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ شریعتِ اسلام جو بنی نوعِ انسان کی دنیا وآخرت سنوارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ اس بنیادی تباہی سے صرفِ نظر کرلیتی ؟ ناممکن تھا۔ چنانچہ فحش جس طرح عقلِ سلیم کے تقاضوں کے ماتحت انسانی سوسائٹی کے لیے ایک غلیظ قسم کی ناپاکی اور مقامِ عقل کے لیے ایک بدنما دھبہ تھا۔ اسی طرح شریعتِ اسلام نے بھی اس رذیلۂ فحش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ممانعت کی شرعی تفصیلات اور اخلاقی، روحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا جو کمال اعتدال کے ساتھ معقولیت اور متانت کا مرقع ہے۔

فحش کی حرمت :

اس نے سب سے اوّل فحش کی جنس کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔ فرمایا :-

اِنّ اللّٰہ یامُر بالعدل والاحسانِ وایتاءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ (القرآن الحکیم)

"بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں"۔

فحش کی آخری حد چونکہ زناء اور حرام کاری تھی اسی لیے زنار کو یہی کہہ کر روکا کہ وہ فحش اور بے حیائی ہے۔

لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (القرآن)

"اور زنار کے پاس بھی مت بھٹکو بیشک وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے"۔

پردہ کا تربیتی پروگرام

پردہ کی ابتدائی صورت

اب ظاہر ہے کہ زناکاری کا راستہ ودواعی زنا رہیں اور دواعی زنار کا راستہ فحش ہے اور فحش ومنکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

تبرّج جاہلیت

اور اس طرح عفت وپاک دامنی کے انمول جواہرات سے نشاطِ نفسانی کی۔

تفریحیں خریدی جاتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے اجنبیات کے اس اختلاط کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کا پروگرام دیا اور جس طرح احادیث میں ان زینت منظر بننے والیوں کی طرف نظر کرنا، ان کی آوازوں پر کان لگانا، ان کی طرف مائل ہونا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ خلوت کرنا اور بالفاظ مختصر بے حجابی برتنا، مردوں کے حق میں ممنوع قرار پایا۔ اسی طرح عورت کے حق میں اجنبیوں سے تنہائی اختیار کرنا، نرم آوازی سے اُن کے دل میں طمع پیدا کرنا، آراستہ ہو کر باہر نکلنا، بے حجاب منظرِ عام پر آنا اور اپنے نفس کو ہر ایک کی نگاہ و سماع، چھیڑ چھاڑ اور قرب و میلان کے لیے پیش کرنا اور بعنوانِ مختصر بے پردگی سے رہنا بھی حرام ہوا، خواہ یہ اختلاط و بے حجابی مجالسِ نشاط میں ہو یا مناظر عامہ میں۔ عمومی ہو یا خصوصی ملاقاتوں میں، کیونکہ عورت کی بے حجابی کا نتیجہ تدرتی طور پر اس کی نقل و حرکت کی بے قیدی ہے اور آزادئ نقل و حرکت کا ثمرہ زن و مرد کا باہمی اختلاط اور میل جول ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام ہیجان شہوت ہے، جس کی ابتداء دواعی زنا سے ہو کر انتہا خود زنا پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے کتنے ہی اخلاق ذمیمہ اور احوالِ خبیثہ کا نشوونما بنی نوعِ انسان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

عام دُنیا کے حق میں تو اس معمولی بے حجابی کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہ اس کے ثمراتِ بد سے بچ جائے، لیکن دُنیائے اسلام کے حق میں یہ شرعی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ مسلمان حجابِ نسواں کے بارے میں ان بدراہ اقوام کے شبہ سے بھی بچے رہیں، جنہوں نے جنونِ شباب کے نشہ میں مخمور ہو کر اس بے حجابی کے ذریعے فحش و بدکاری کا دروازہ کھولا، عفتِ نظر اور عصمت تخیل کی راہیں قلوب پر تنگ کر دیں اور پاک دامنی کی بجائے آلودہ دامانی کی لہریں عالم میں دوڑا دیں۔

[illegible]

[illegible]

جاہلیتِ حال

آج کی شہوت راں قوم بالخصوص یورپ کی عیاش مگر متمدن اقوام کا شیوۂ بے حجابی اس حد پر پہنچ چکا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ بھی اس سے شرما کر زیر زمین چھپ گئی، یورپین لیڈیوں کا تبرج، نیم عُریاں لباس، دلربایانہ گُل گشت اور بے حجاب خروج اور اُس کے ساتھ مردوں کا حیا سوز رویہ جس کو قانونی زندگی کی شکل دیکر تہذیب و تمدن کے نام سے پکار دیا گیا ہے، جاہلیتِ اولیٰ کا نقشِ ثانی بلکہ اپنی نوعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ع

یہ وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

آج کی عورت بلاشبہ قانوناً آزادانہ حقوق رکھتی ہے لیکن اس آزادی کے معنی اسکے سوا کیا ہیں کہ وہ بلا روک ٹوک نیم عُریاں لباس میں سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نکلتی ہے۔ بے حجاب اور بلا نقاب اپنے برہنہ سینہ اور گلو کی نمائش کرتی ہے۔ پُوری بناوٹ کے ساتھ اپنی دلربایانہ چال ڈھال سے راہگیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور اس حُسن نمائی کے ذریعہ کنواری اپنے لیے متعدد دوست اور بیاہی شوہر کے بہت سے حریف پیدا کر لیتی ہے، شوہروں کی اذن و مرضی کی پرواہ کیے بغیر آشناؤں سے علی الاعلان اختلاط بے تکلف بات چیت، ہنسی اور دل لگی اسکا شیوہ ہے۔ غیروں سے خلوت گزینی میں شوہر کو مخل ہونیکا قانوناً کوئی حق نہیں کہ عورت اپنے حقوق میں آزاد ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ تمدنِ جدید کے فرائض میں سیہ کاریوں کا روکنا نہیں بلکہ انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرائیک اینڈ گائیڈ رسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

موجودہ جاہلیت اور فحش کے چند نمونے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدکاری کے ساتھ قومی حمایت شاملِ حال ہے، سالویشن آرمی، یورپ کی وہ خادم قوم اور محافظ بے کساں جماعت جس کا قیام خبر گیری، خلق اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کے جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان کے لیے زچہ خانہ اور زچگی کا انتظام کرے اس مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ "میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ دسی" ۱۹۲۸ء لکھتا ہے۔ جس کا اقتباس "فارورڈ" کلکتہ میں شائع ہوا ہے۔

"آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد نوعمر طالبات علم اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے۔ جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں۔ آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فی صدی ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔"

(اخبار سچ ۱۳ رجولائی ۱۹۲۵ء بحوالہ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام)

یہ تعداد اس حالت میں ہے کہ ملک میں منع حمل کے بے شمار طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور جہاں بغیر قصد کے ماں بننا تقریباً غیر ممکن رہ گیا ہے۔ گویا آوارگی کے سو دو سو واقعات میں سے کہیں ایک آدھ ہی میں ان زچہ خانوں میں جانے کی نوبت

آئی ہو گی، باوجودیکہ لندن میں عصمت فروشی کا حق کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ مگر ایک ذمہ دار میم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ :-

"۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئیں، یہ وہ احمق عورتیں تھیں جنہوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقعہ دیا، ورنہ لاکھوں ایسی نیک بخت بھری پڑی ہیں جن کی عمریں اس شغل میں بسر ہوئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی"۔

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

جان بل لکھتا ہے :-

"شہر نیویارک میں اس وقت ۴۰ ہزار بازاری عورتیں موجود ہیں، اس تعداد میں وہ لڑکیاں داخل نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے گھروں، ہوٹلوں اور دوسرے پبلک مقامات میں رفاہِ عامہ کا کام جاری کر رکھا ہے، حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ تقریباً ہر دس جوان عورتوں میں نیویارک میں ایک بازاری رنڈی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ شہر نیویارک میں یہ بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاعِ عصمت کو فروخت کرتی ہیں گویا دن بھر میں پندرہ ہزار ایک سو اسی مرد بازاری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں جس سے تمام امراضِ خبیثہ کے شکار ہیں"۔

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء، بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رسالہ محشر خیال جون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اگر چوبیس گھنٹے میں ایک عورت سے بدکاری کرنے والے مردوں کی تعداد ۵ بھی رکھ لی جائے جو ایسے احوال میں کم سے کم ہے تو ثابت ہوگا کہ لندن میں باضابطہ طور پر علانیہ روزانہ ایک لاکھ پچاس ہزار مرد زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ایک سال میں ۵۴ لاکھ۔

شہر گلاسکو کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لیے وہاں کی دوشیزہ لڑکیوں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوسوں سے حاصل ہوئے۔

لندن میں باقاعدہ دوشیزہ لڑکیوں کی انجمنیں ہیں جو عہد کرتی ہیں کہ ہم شادی نہیں کریں گی، ہاں عشق بازی اور معشوقانہ تعلقات انکے اصول کے خلاف نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں طالبات سے دریافت کیا گیا کہ ایک نووارد لڑکی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے کن کن امور سے واقفیت ہونی چاہیئے؟ اس کا جواب دو سو سے اوپر لڑکیوں نے تحریر کیا جس کا خلاصہ اخبار "مدینہ" نے اس طرح شائع کیا ہے:۔

"لڑکی کو تذکیر و تانیث اور اُس کے لوازم و خصوصیات سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ اسے معلوم رہے کہ کس طرح ناچنا چاہیئے۔ کس طرح سگریٹ پینا چاہیئے، کس طرح شراب کے ساغر غٹ غٹ چڑھانا چاہیئے اور کس طرح اسے گلے لگنا چاہیئے، نیز اسے تمام طالبانِ حسن پہ بے وجہ اور ہمہ گیر طور پر مہربان بھی نہ ہونا چاہیئے (یعنی آشنائی کا مضائقہ نہیں مگر طبیعت کے میلان کے معیار سے خاص خاص افراد

سے) بدمست اور شرابیوں سے معاملہ کرنے کا فن اُسے آنا چاہیئے"۔ ایک لڑکی نے ان الفاظ کا اس میں اور اضافہ کیا کہ:۔

"لپٹنے اور گلے لگنے کا تجربہ پہلے سے ہونا چاہیئے تاکہ یونیورسٹی پہنچ کر اس عمل میں ناتجربہ کاری کی بناء پر کوئی رکاوٹ یا شرمندگی نہ ہو اور سہولت سے یہ عمل جاری رہ سکے۔ خواہ طالب علموں سے اور یا پروفیسروں سے یا ملازمین یونیورسٹی سے، نیز جسے وہ ناپسند کرتی ہو، اُسے گلے لگنے سے باز رکھنے کا فن اور طریقہ بھی معلوم رہنا چاہیئے"۔

(سیاست لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

ایک امریکن دانشمند لکھتا ہے:۔

"ہمارا سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ جرائم اور بدکاری کے مبلغ جن سے چوریوں میں ہمیں آسانی ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے، فحش کاریوں میں ان مخلوط مجامع سے کافی سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ مردوں میں غیرت باقی ہے اور نہ عورتوں میں عفت، منزلی زندگی تباہ ہے نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ دوست لعاب کے لیے آج سب سے بڑا تحفہ بیوی اور بیٹی ہے اور عورت کے نسب سے زیادہ مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہِ شہوت"۔

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۰۱)

مسٹر جارج ایلین اینڈالون اپنی کتاب "تمدن" میں لکھتا ہے :۔

"عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں"

(تعلیماتِ اسلام ص ۱۷۵)

انہیں شہوانی جذباتِ اختلاط کے ماتحت یورپ میں بین الاقوامی نمائشیں ہوتی ہیں تو کس متاع کی، استعمالی سامانوں کی نہیں، انتخابِ حسن کی! کہ کون لڑکی زیادہ حسین ثابت ہوئی اور کس ملک اور شہر کے نام انتخابِ حسن کا قرعہ نکلا پھر فخریہ لہجوں میں اس ملک اور خطہ کی تعریف کی جاتی ہے، اور نہ صرف اعضاءِ حسن ہی کا انتخاب نمائشوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بلکہ اعضاءِ شہوت میں بھی یہ انتخابات بے محابا عمل میں آتے ہیں۔ ابھی پچھلوں دنوں رانوں کی نمائش ہوئی کہ کس نوجوان لڑکی کی ران زیادہ گودی، گداز اور خوش نما ہے اور پھر ایسے امتحانوں پر انعامات جاری کیے جاتے ہیں جس سے آج کی قوموں کے قومی جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان "مشتے نمونہ از خروارے" اعداد و شمار سے جو پورے یورپ کے نہیں چند مخصوص گھروں کے ہیں اور وہ بھی چند مخصوص ایام کے ہیں، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت و مرد کی بے حجابی اور اختلاط نے انسانوں کو بہیمیت کے کس حیاء سوز درجہ تک پہنچا دیا ہے اور مذہب کو چھوڑنے والے اپنے اختراعی قوانین یا تہذیبِ جدید کی رَو میں بہہ کر کس طرح اخلاق اور انسانیت سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کس طرح خرمنِ امن و سکون میں آگ لگا کر

جہنم کے دروازے بنی نوع انسان پر کھولے جا رہے ہیں۔

یہی وہ یورپ کی تہذیب و ترقی اور اس کا روشن تمدن ہے جس کی طرف "مدعی سست گواہ چست"، کے مطابق یورپ سے زیادہ یورپ کے نئے شاگرد (ہمارے روشن خیال نوجوان) ہم کو بلا رہے ہیں مسئلہ حجاب شرعی کے خلاف اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ کیے جا رہے ہیں تاکہ ایشیا اس بے حجابی پر آ جائے جس پر یورپ پہنچ چکا ہے، افسوس کہ آنکھیں اندھی ہو گئیں، کان بہرے ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہیں، دلوں پر پردے پڑ گئے اور دماغ ماؤف ہو گئے، مذہب اور بالخصوص اسلام کی عالم تاب روشنی دکھائی نہیں دیتی، بے حجابی کے انہیں مہلک نتائج کو دیکھ کر اسلام کی حکیم شریعت نے اپنے حلقہ بگوشوں کو حیا و ایمان کا سرمایہ دار بنایا تھا اور اس جاہلیت اولیٰ اور اس جاہلیت اُخریٰ کے ان متعفن اور گندے اعمال کی پیروی کرنا تو کیا اُن کی ظاہری مشابہت اور صوری تشبیہ سے بھی باز رکھا تھا۔ اس نے اس تبرج جاہلیت کے مقابلہ میں حجابِ فطری کا ایک ایسا حیاء آموز اور خوش انجام پروگرام پیش کیا ہے جس کی پیروی ایک طرف شریفانہ اخلاق اور خواتین اسلام کی آبرو کی کفیل ہے اور دوسری طرف عام مادی فلاح و بہبود اور تحفظ انسانیت و قومیت کی ضمانت دار ہے۔ جس کے دائرے میں نہ زنا قدم رکھتا ہے نہ دواعی زنا کی پیش چل سکتی ہے۔

پردہ کے پروگرام کی ترتیب

ستر اشخاص

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے پہلا اصول یہ سکھلایا کہ عورت کی ذاتی حیثیت ایک بیش بہا خزانہ کی سی ہے، جس کو خائنوں اور بدراہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے محجوب اور مخفی رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی میں اُس کی ذاتی حرمت اور شیطان صفت انسانوں سے بچاؤ کی صورت قائم رہ سکتی ہے۔

عورت کی بنیاد میں ستر حجاب داخل ہے

ارشادِ نبوی ہے:۔

اِنَّ الْمَرْاَۃَ عَوْرَۃٌ مَّسْتُوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے، وہ جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اُسے تاکتا ہے اور اب کسی کو بدنگاہی میں، کسی کو بدخیالی میں اور کسی کو بدعملی میں مبتلا کریگا۔"

ظاہر ہے کہ یہ مخفی حیثیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی کہ عورت کا اجنبیوں سے اختلاط قطع کر کے اسے یکسو رہنے کا حکم دیا جائے اس لیے ارشادِ نبوی میں اس پہلو کو بھی واشگاف فرما دیا گیا۔

نِعْمَ الْعَمَلُ لِنِسَاءِ اُمَّتِیَ الْعَزْلُ۔

"میری اُمت کی عورتوں کا بہترین کام یکسوئی (اور مردوں سے) کنارہ کشی ہے۔"

پھر یہ یکسوئی مستقل اور پائیدار نہیں رہ سکتی تھی، جب تک کہ عورت کی آزادیٔ نقل و حرکت کو محدود نہ کیا جاتا، اس لیے شریعت نے ان کو اپنے گھروں کی چہار دیواری میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ ارشادِ حق ہے:۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُولیٰ ؎ "عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور جاہلیتِ اولیٰ کی سی آزادانہ سرگرمیوں میں نہ پڑیں۔"

لیکن عورتوں کی عام نقل و حرکت کو گھر کی چہار دیواری میں محدود کرنے کے ساتھ اگر مردوں کو ان کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دی جاتی تو پھر یہ پابندیٔ نقل و حرکت بھی بیکار ہی رہتی، بلکہ ان کی خلوتوں میں مردوں کا آزادانہ آنا جلوتوں کی ملاقاتوں سے بھی زیادہ مضر ہوتا، اس لیے مردوں پر واجب کیا کہ دوسرے کے گھروں میں بغیر آواز دیئے اور بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ ارشادِ حق ہے:۔

حکمِ استیذان:
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا۔ "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج دو۔"

پھر یہ حکمِ استیذان صرف نامحرموں کے لیے ہی نہیں، بلکہ محرموں کے لیے بھی ہے پس اگر عورتیں گھروں میں ٹھہرادی گئی تھیں تو مردوں کو بھی ان کے گھروں میں بے محابا آنے جانے سے روک دیا گیا۔

ممکن تھا کہ اس گھر کی چہار دیواری کی روک تھام کو علی الاطلاق تمام حالات میں ضروری نہ سمجھا جاتا، بلکہ صرف ان حالات میں جن میں اجنبی مرد و عورت کو کسی جائز لین دین یا ردوبدل اور کسی جائز معاشرتی معاملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش

آئے ورنہ درصورتِ معاملہ وطلب وسوال وغیرہ حجاب کو مخل معاملہ سمجھ کر بے حجابی کو جائز اور حکم آیت سے مستثنیٰ سمجھ لیا جاتا اس لیے قرآنِ کریم نے حکمِ مذکور کا عموم واطلاق باقی رکھنے اور ان فرضی مستثنیات کو قطع کر دینے کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ضروری لین دین اور مانگ تانگ بھی حجاب ہی کے واسطہ سے کرو۔

گفتگو پسِ پردہ

واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن ؕ

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بے ضرورت تو پردہ کے پاس بھی مت آؤ لیکن اگر ضرورت سے آؤ مثلاً اگر کسی چیز کا سوال کرنا ہے تو پسِ پردہ ہی مانگ لو نہ یہ کہ جائز معاملات کے وقت آنے کا جواز بے پردگی کے جواز کا موجب ہو جائے۔

نیز متاعاً اور اسے بھی باتنوین لا کر ایماء فرمایا گیا ہے کہ عورتوں سے چھوٹی سی چیز بھی مانگو تو پسِ پردہ مانگو یعنی عمومی لین دین اور کاروبار تو بجائے خود ہے معمولی اور حقیر چیزیں بھی جو بیشتر اثاث البیت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر مانگو تو پردہ قائم رکھ کر مانگو۔

اسی متاعاً کے لفظ سے اشارتاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لین دین کے سلسلہ میں عورت کی شانِ حرمت صرف خانگی ضروریات کی معمولی اشیاء بدلنے یا لینے کی حد تک تو قائم رہ سکتی ہے، بڑے بڑے سامانوں کا لین دین یا تجارتی اسباب کا دینا لینا اس کی فطری شان کے منافی ہے۔

موجودہ تمدن کی بیباکی

یہاں سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو عورت کی چند فرضی اور اختراعی ضرورتوں پر قومی ضروریات کا نام رکھ کر ان کے مختلف شعبوں، مثل حقِ نمائندگی، حقِ نیابت اور حقِ مطالبت وغیرہ کے لیے آج اس مستور اور محجوب عورت کو بے حجاب اسٹیجوں اور اجتماعی پلیٹ فارموں پر دعوت دے رہے ہیں اور خود عورت ہی کی زبان ان اہم سوالات اور طلبوں پر کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہاں وہ قرآنی اختفا و حجاب اور کہاں یہ پلیٹ فارمی پیشی و نمائش؟ کہاں کہ یہ عورت سے معمولی متاعِ خانہ داری کی معمولی مانگ بھی پسِ پردہ تجویز ہوئی اور خود عورت کا یہ معاملاتی اور قومی حقوق کی طلب میں پلیٹ فارموں پر بے حجاب مارے مارے پھرنا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

عورت کے لیے نہ ایسے پلیٹ فارم ہی شرعی ہو سکتے ہیں، جن میں منشاءِ قرآنی کا معاوضہ ہو اور نہ ایسی طلب ہی اس کی زبان سے شرعی کہلائی جا سکتی ہے جو مقاصدِ قرآن کے لیے انجام کار مخرب ہے۔

عورت کے باہر نکلنے کی شروط اور قیود

بہر حال عورتوں کی آبرو اور اُن کا حقیقی احترام قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اصلی حکم ستر آشنائی کا دیا ہے کہ وہ محض لباس سے مستور ہو جانے پر اکتفا نہ کرے کہ

[illegible]

کافی بصیرت افروز ہیں، جو درج ذیل ہیں :-

"خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کُل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز مطہر و منزکی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ کے لیے غضِ بصر و تحفظِ عصمت کی تعلیم کا اعلےٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام واصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ عام فضاء ایسی ہے کہ ہر مُسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مُسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خود اپنی اقتدار میں، اتقیاء اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے"۔

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے، اور بھی عدمِ ممانعت کے عنوان سے" اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محوّل۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم ہے:۔

"اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المساجدِ فاذنوا لھنّ "

"جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابو داؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو، تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب بھی ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"لاتمنعوا نساءکم المساجدِ وبیوتھن خیرلھن "

"عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔"

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکانِ صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دوسری روایت میں زمان صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کیے گئے ہیں، کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے بہ نسبت دن کی ضوار افشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقید فرمایا گیا۔ پھر اس مقید اجازت کے ساتھ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ "تاریکی شب" کے ساتھ مقید ہے، جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم)

"اس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"۔

ایک موقع پر ارشاد ہے۔ ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھد معنا العشاء (مسلم)

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔

بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالت کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت والتفات نہ ہو۔ ارشاد نبویؐ ہے:۔

ولیخرجن تفلات (ابوداؤد) "اور مسجد میں جانے کے لیے، عورتیں میلی کچیلی نکلیں" (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے

چنانچہ حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

وان المراۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ ۔ (رواہ الترمذی)	"عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گذری تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی حکم میں زانیہ کے ہے"

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہلِ جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسل جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی ۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

لا تقبل صلوٰۃ امرءۃ تطیب للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد)	"ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی جب تک وہ غسلِ جنابت نہ کرلے۔"

حالانکہ یہ خوشبو کسی بُری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترامِ مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی ۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اُس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے ، جو اسے اور اس پر مُبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ ایک منفعت ہے اور وہ بھی اس کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے ، نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفعِ مضرت اور وہ بھی قوی مقدم ہے ، جلبِ منفعت پر جبکہ وہ شخصی بھی ہو ، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی

اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں عائد فرمادی گئیں اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے ۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ ۔ اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ نمود چھپ جائے ۔

ارشادِ ربانی ہے :۔

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ۔ "اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"

یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ نازاندازسے نہ نکلیں، چال کو دلآویز نہ بنائیں، زینت کا لباس پہن کر نہ نکلیں۔

ارشاد نبوی ہے :۔ انھوا نساء کم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد "اپنی عورتوں کو لباس زینت اور نازوانداز کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو۔"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں ۔ ارشاد حق ہے :۔

یدنین علیھن من جلابیبھن "لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدم اظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا :۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (القرآن الحکیم) "اپنا سنگار نہ کھولیں (یعنی کسی کو نہ دکھائیں) اِلّا یہ کہ جو (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)"

پھر باجے کا زیور ایک باصوت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ محتمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ۔ (القرآن الحکیم)

"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون

"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو ان ہی قیود مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دُور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سُرور کا۔ مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا گیا :۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن

"اور مُسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہِ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :۔

زنا العین النظر (مشکوٰۃ) "آنکھ کا زنا، نگاہ بازی ہے"

اگر دور سے نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غض بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبوی ہے :-

لیس للنساء سلام ولا علیھن ۔ (ابو نعیم فی الحلیہ) "نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے (اجنبی مردوں کو) نہ اس پر جواب سلام ہے"

پھر اگر مجبوراً اثنائے راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحدِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ سُریلی اور نرم آواز سے نہ بولے۔ لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت نہ پیدا کرے جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو اور کسی باہمی انس کی بنیاد پڑ جائے۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا "تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال لگتا ہے جسکے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا، کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو"

پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف اخفاء زینت یا بول چال ہی سے رُک جانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نوعمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :۔

خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا اٰخرھا وخیر صفوف النساء اٰخرھا و شرھا اولھا۔ (مشکوٰۃ شریف)

"نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف، صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف سب سے اگلی صف ہے"!

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریح فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

نہیں رہتا عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ نو عمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :- "نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف،

خیر صفوف الرجال اولها و	صفِ اوّل ہے اور بدترین صف سب سے
شرها آخرها وخیر صفوف	پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف
النساء آخرها وشرها اولها۔	سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف
(مشکوٰۃ شریف)	سب سے اگلی صف ہے"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تاکہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز وغیرہ سے تسبیح وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے لیکن عورت کے لیے مردوں کے مجمع میں آواز نکالنے کی بجائے ہاتھ کی آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریحِ فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سبکو متوجہ کر لینے کی اسمیں ایک شان ہوتی ہے اسی لیے اسکی صوت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اُسکی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

التسبیح للرجال و التصفیق للنساء۔ (مشکوٰۃ)

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں کے واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا (مگر بصورت تصفیق یعنی پشت ہاتھ سے)"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردہ کی نوعیّت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جبکہ نماز کیلئے عورت مرد کے ساتھ جماعت میں شریک ہو لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں جس میں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملّت کی درایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ داری سے ماخوذ ہے بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے (جن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں)، اس زمانے کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :-

ویکرہ ان یصلین وحدھن الجماعۃ لأنہا لا تخلو عن ارتکاب محرم و ھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ و لأن فی التقدم زیادۃ الکشف وان فعلن قامت الامام وسطھن۔ (ھدایہ جلد اوّل)

"اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی، ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے کیونکہ امام کا حق آگے بڑھ کر کھڑا ہونے کا ہے وسط صف میں کھڑا ہونا اس کے لیے مکروہ ہے۔"

جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو (یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں) بے پردگی نہ ہونی چاہیئے، عبارتِ بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہائے دین کے نزدیک مکروہ ہی اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سنتِ امام کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنتِ امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دیگئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارہ کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرونِ صف کھڑا ہو کہ توسط امام سترو حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کسقدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید سے بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کرلو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ

... بے حجابی کیسی؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ وجہ تفریق کیا ہے؟

جواب: سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئے بہت سی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا جس سے رغبت میں خفت اور ہلکا پن پیدا ہو جاتا تھا، راز اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے. کیونکہ انفراداً ہر ہر فرد کی طرف پوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہیئت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے. ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلاشبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آ پڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائیگا، مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جلا غول سامنے آ جائے تو چونکہ مجموعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فرد واحد پر نہ رہے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوۃ ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسر آ جائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آ جائیگا اسی لیے

شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ و مخاطبت، شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلف بنایا ہے، ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مُضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فردِ واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مُضر ہے، اس حسّی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی روایتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئتِ مجموعی خود ایک حجاب ہے جو رغبت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہیئتِ انفرادیہ بذاتہٖ ایک بے حجابی ہے، جو اپنی جاذبیت اور کشش سے خواہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فردِ منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے۔ کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہاء ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑی ہو جائیں اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جُلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظروں کو اپنے اُوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئت اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا، لیکن اگر اس جماعت میں

مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو، جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں۔ آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو اور اس کا مجموعی جثہ (بدن) بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قدر و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے اور کم از کم امام انثی کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔

نظر بریں پہلی صورت میں جبکہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جن میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا اس لیے وہ جماعت گو سنتِ امامۃ سے محروم رہی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازت جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوےٰ حاصل کر سکی اور دوسری صورت میں جبکہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سنتِ امامت ادا ہو جائے، مگر فریضہ ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتویٰ سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جبکہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفرادی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا اور وسط صف میں رہ کر ہیئت اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی، اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر

اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا اور صف سے نکلے ہوتے امام پر اگر اتفاقاً کسی کی بھی نگاہ نہ پڑے تو اس عارضی حجاب کا اصلی بے حجابی کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہیئت طبعی اور وضع قطع ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشاء ہی ذاتی بے حجابی ہے۔ ورنہ ذاتی ہیئتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا ہی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجویز فرمائی گئی ہیں، جن میں قدرتی طور پر عورت کے اعضاء ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہیئت قائم ہو کر عورت کا مجموعہ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے، قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں اُبھری ہوئی اور اُوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ

کا اُبھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہیئتیں اعضاء کی کشادگی، فراخی اور پھیلاؤ پر مشتمل ہیں ٹھیک اس کے بالمقابل زنانہ افعالِ صلوٰۃ کی ہیئتیں اعضاء کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں، خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔ پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں، جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہیئتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہ ستر و حجاب کا دخل ہو اور پردہ داری کی رُوح ان میں سرایت کیے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع میں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو جس میں مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے، سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے، اگر عورت غلیظہ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع حصہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔ پس یہاں ستر کی فرضیت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے۔ اسی لیے فساد صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کھل جانے

پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے، نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے، جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں جن کا طبعی تقاضہ وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں، عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں، پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور متشرع ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہرحال جبکہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئی تھی، جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارے میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جبکہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محل کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی کہ مؤنث امام سُنّت امام ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کے برابر کھڑا ہو تا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی مرتکب سمجھی جائے گی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدہ کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔
اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ

مقام کے سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامانِ ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسر آجائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے، ہاں اگر خوش نظر یا بدمنظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شاہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عاشقہ جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں، خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہ انفرادو تنہائی رغبتوں کو اُبھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی، جب تک کہ اس کی ساتھ کوئی جمال یا کمال نہ پایا جائے۔ پس اصل باعثِ رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفرادو تنہائی، ہاں پھر بھی جمال و کمال اگر کسی شانِ امتیازی کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ اُبھر جانی چاہیئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں۔ چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور تاریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں، اس لیے اس کی جاذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شان امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجّہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دُوسرا نسبتی انفراد، جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دُوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دُوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کہ کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ اس اصُول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گزارے تو اصُولاً وہ شدتِ توجّہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجّہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیاتِ قابلِ التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مصلّے پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اُس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پُوری جماعت کے مقابلے میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور کمالِ صفات دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آ جانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظر باز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے۔ چنانچہ نقاب رُخ اُلٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی

اور مستور چہرہ کو اسی لیے باحجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذب نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اُسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیر بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاء ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دینا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ کی ہی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب و توجّہ ہے اور نہ اجتماعِ محض یا ہئیت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجّہ کو جذب کرتی ہے ہاں! یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے باعثِ صد کشش و التفات ہے، اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلاشبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفراد محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے اور اجتماعِ محض (جس میں امام کا امتیاز نہ ہو) اس کی نسبتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہوگا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پہ زیادہ روک ٹوک ہوگی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پہ صف میں ملا جلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر

اس جماعت پر کراہت کا فتوے ضرور عائد ہو گا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات رادمات سب کو مقام بے حجابی پر پہنچا کر بڑا بے حجابی کا ثبوت دیا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس موقع پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادۃ کشف (زیادہ بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعث جذب وکشش نہیں، باعث رغبت صرف جمال وکمال ہے تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کیوں حرام فرمادی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ ہوتی کہ بذاتہ تنہائی باعث رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ باجمال وکمال ہے تو خلوت حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ انفراد واجتماع (عورت کی تنہائی وشرکت) وہ فرض کی گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام ذکر کیے گئے وہ اس انفراد واجتماع کی ذاتی وضع پر دائر تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہونے نہ ہونے یا دیکھنے نہ دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف واقعی فرض کر کے جواب یہ ہے کہ :-

بلاشبہ باعث رغبت دکشش جمال وکمال ہے، تنہائی نہیں لیکن جمال وکمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار ہیں اور متفاوت ہیں ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں مختلف ہیں۔ کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے ہی ایک شے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر

دُوسرے اس سے نفرت وکراہت کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے ہر شئے میں کسی نہ کسی کے اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شئے کے متعلق زید و عمرو کی رغبتوں، نفرتوں اور پھر ان کے مناسب حال جمال وکمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی احکام دیئے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو وضع قانونی کے خلاف تھے، شریعت نے اس مقام احتیاط میں رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

لکل ساقطۃ لاقطۃ "ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے خواہ وہ بصورتِ واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ موقع احتیاط کا بھی ہو اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو"۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ کی طرف مائل ہو گا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال وکمال کے سبب سے جس کو اسکی طبیعت جمال وکمال سمجھ رہی ہے۔ پس معیارِ رغبت وکشش پھر وہی جمال وکمال رہا اور ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وللّٰہ الحمد

بہر حال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت کا اجماع محض بے حجابی نہیں، اسی طرح انفرادِ محض یعنی ہر خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں ہاں جلوت میں امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی موجودگی و عدم موجودگی) کے بعنوانِ حجاب شکن بے حجابی ہے جو موضوعِ نسائیت کے منافی ہے اس تقریر پر

اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ بھی ہر ایک جمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے ساتھ نمایاں ہونا وضع بے حجابی ہوگا؟ جس پر کراہت کا فتوےٰ لگایا جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفراد کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی طرح کراہت وممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا گیا ہے جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ شان سے کھڑے ہوکر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا یا تختِ سلطنت پر متمکن ہوکر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ ان میں سے کوئی امامتِ صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی امامت ظاہری ہے اور کوئی امامت باطنی۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زدِ خلائق کر کے بے حجاب بنائیں گی اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور محلِ خطرات ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی محجوبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح ان منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی، رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا

[illegible]

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر رد کر دیا گیا، خواہ وہ جاہلیتِ اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:-

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الرجال والنساء من دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر۔	"عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دیدی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں (ترمذی وابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس پھر ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز سکول حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم وکرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رخ نہیں ہے جس کی ممانعت و

تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔

خیالی پردہ

یہ مذکورہ جزئیات تو بہر حال عورت و مرد کے حسی اختلاط کی تھیں، اگر شریعت کی جانب سے ان کی روک تھام پر زور دیا گیا تو جائے تعجب نہیں مگر شریعت کی باریک بینی دیکھئے کہ وہ پارسائی و پاکدامنی کا نظام قائم کرنے کے سلسلہ میں خیالی اختلاط کو بھی اجنبی مرد و زن کے لیے گوارہ نہیں کرتی، مردوں کا عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی تک سے وضو کرنا مکروہ سمجھا گیا کہ اس پانی کو عورت کے ساتھ نسبت قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نسبت مرد کے خیال کو اس عورت کی طرف ملتفت کر دے اور پھر خیال ذریعۂ شوق و اختلاط ہو کر مفاسد کا دروازہ کھول دے۔ پس واقعات کے پیش آنے سے پیشتر خیالی اختلاط کو بھی اس شد و مد سے روکا گیا کہ جس شد و مد سے واقعی اختلاط کو روکا گیا تھا۔

عن رجل من الغفار قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فضل طهور المرأة ،	"ایک غفاری شخص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچائے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ (ترمذی جلد اول ص)

گویا ممانعت مطلقاً نہیں اور ہے بھی تو تنزیہی، مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر ان جیسے وسائل التفات کے قطع کرنے کی طرف بھی ہے کہ بسا اوقات یہی خیالی اختلاط حقیقی اختلاط تک پہنچا کر رہتا ہے پس اس حدیث سے ستر خیالی کی تعلیم صاف طور پر نکل رہی ہے جس کو خیال کا پردہ کہنا چاہیئے۔

اسی منصوص اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء دین نے بہت سی ایسی جزئیات مستنبط فرمائی ہیں جن سے ستر خیالی کی تعلیم نکلتی ہے۔ جیسے ابھی گزرا کہ عورت کی نمازِ جنازہ میں بعض ائمہ کے نزدیک امام کا سینہ سے ہٹا کر کھڑا کیا جانا درآنحالیکہ سینہ کا ابھار گہوارہ میں مستور بھی ہے اور عورت محل شہوت و کشش بھی باقی نہیں رہی۔ محض خیال کی پاکی کے لیے ہے تاکہ مرد کے دل میں کسی مخصوص اجنبیہ کے سینہ کا تصور بھی قائم نہ ہو۔

پھر جس طرح مرد کو تصور کا پردہ بتلایا گیا ہے اسی طرح اسے نیت کا پردہ بھی بتلایا گیا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :-

لاینوی النساء فی زماننا وفی کلام شارح لفساد الزمان فان الامام لایناسبه ملاحظة النساء لتوجه الخاطر الیهن (هدایه جلد اول ص۱۰۱)

"مرد امام (اپنے مقتدیوں میں سے صرف مردوں کی امامت کی نیت کرے) عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے شراح اس کی حقیقت اور علم ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ زمانہ فساد کا ہے، امام کے لیے مناسب نہیں کہ توجہ قلب اور دل کے تصور سے عورتوں کو دیکھا کرے"۔

اسی کی مانند فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اپنی بیوی سے ساتھ مباشرت کے وقت یہ تصور باندھنا کہ فلاں اجنبیہ یا نامحرم کے ساتھ مباشرت کر رہا ہوں، حرام ہے اور اس جائز مباشرت کو بھی ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کے ساتھ جسم سے نہیں تو خیال سے زنا کرنا ہے۔

بہرحال ان تمام جزئیات سے یہ نکلتا ہے کہ اجنبیہ کا حجاب صرف تارِ نگاہ ہی سے نہ بنایا جائے بلکہ پردۂ خیال سے بھی بنایا جائے کیونکہ قلبی تصور سے اجنبیات کو

دیکھنا باطنی بے پردگی ہے اور خدا نے عالم غیب و شہادت کا قانون غیب و شہادۃ دونوں ہی پر لاگو ہونا چاہیئے۔ اور ہے۔ پس عورت کے ساتھ ظاہر و باطن کا پردہ شرعاً ضروری قرار پاتا ہے۔ تعجب ہے کہ شریعت تو دل کی بے پردگی سے بھی حجاب بتلائے اور آج کل کے مدعیان علم و تہذیب اسلام کے نام سے آنکھوں کی بے پردگی کو بھی بے پردگی نہ مانیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

حجاب کی جزئیات کا خلاصہ اور منشاء شریعت

بہرحال شرعی حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات مع خیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات تک پر بھی چھائی ہوئی ہیں اور عادت و عبادت کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہتی، جس میں عورت کو حجاب کا اور مرد کو نگاہ بچانے کا پابند نہ بنایا ہو اور اس ستر اور نگاہ بچانے کی بھی کوئی ظاہری و باطنی نوع ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی حکیمانہ ہدایت نہ دی گئی ہو، چنانچہ سابقہ تفصیلات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلے ستر اشخاص کا حکم دیا، پھر ستر ابدان کی ہدایت کی۔ پھر ستر زینت کے لیے فرما دیا، پھر ستر عوارض یعنی بُو اور چال ڈھال وغیرہ کا امر فرمایا۔ پھر ستر نگاہ بتایا، پھر ستر صوت کا ارشاد ہوا، پھر ستر عمل کی تنبیہ کی گئی، یہاں تک کہ پھر ستر خیال کی بھی آخر میں تلقین فرما دی گئی، جس سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ شریعت اجنبی مرد و عورت میں کوئی ادنیٰ اختلاط یا

کم سے کم ریل میل اور تھوڑی سی بے تکلفی گوارا کرتی ہے اور وہ بھی معاشرت اور سلسلہ تمدن میں جو نفسانی جذبات بھڑکانے کا خاص ذریعہ ہے بلکہ اس کی ہر ہر ہدایت اور ہر ہر قید و بند سے جو اُس نے خروج نساء پر عائد کی ہیں، اس کی یہ مرضی صاف نمایاں ہے کہ عورتیں اس کی منشاء پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رُک جائیں، کیوں ؟

اس لیے کہ جاہلیۃ اولیٰ کا تبرج اور آج کی جاہلیۃ اُخریٰ کا شہوانی تموج ان میں راہ نہ پائے اور یہ ناقصات العقل اس کی حرص میں اپنے عفیفانہ اخلاق اور حیادارانہ جذبات و اعمال سے دستبردار نہ ہو جائیں۔ پس اس جاہلیۃ اولیٰ نے بے حجابی اور بے حیائی کے جتنے عملی پہلو سامنے کیے شریعت نے اتنے ہی پردے عفت و عصمت کے پہلے سے تیار کیے ہوئے ان پر ڈال دیئے کہ جس پر ہر بے حیائی کا رخنہ مسدود ہو گیا۔ اور اسلامی عورت تمام بداخلاقیوں کی زد سے بچ گئی۔

حجاب و بے حجابی میں مشرق و مغرب کی عورتوں کا موازنہ

پس کہاں مشرق کی وہ شرافت مآب عورت جو اپنے جوہر عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے سینکڑوں حجابوں میں مستور ہو کر گھر کے کونے میں خلوت گزیں ہے۔ اور کہاں مغرب کی وہ دریدہ نگاہ عورت جو اپنی ہر ایک زینت کی نمائش کرتی مائل ہوتی اور مائل کرتی ہوئی گھر کی چار دیواری سے باہر بازاروں، سیر گاہوں، جلسوں اور پنڈالوں، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سرکسوں،

نمائشوں اور سینماؤں، باغوں اور پارکوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کہاں یہ فاسقانہ تبرج جاہلیۃ اور کہاں وہ مسلمانہ تموج حیاء و عفت۔

چراغ مُردہ کجا نورِ آفتاب کجا

جبکہ دونوں قسم کی عورتوں کی الگ الگ دو راہیں ہیں، ایک اخلاق روحانی کی طرف جا رہی ہے اور ایک جذبات نفسانی کی طرف، پھر ان دونوں میں ذہنی اور خارجی طور پر اصُولی و فروعی امتیاز بھی ہے تو کیسے ممکن تھا کہ اسلام کی التباس شکن شریعت ان میں ریل میل گوارہ کرتی؟ یا اس حجاب و بے حجابی کی دو متضاد نوعوں میں کسی تلبیس کو راہ دیتی۔ اس نے بے حجابی کو مٹایا اور حجاب کامل کا جس کے متفاوت مراتب تفصیل سے پیش کیے جا چکے ہیں، حیادار عورتوں کو حکم دیا تاکہ مسلم عورتوں اور ان قدیم و جدید حیاء شکن عورتوں میں باہم کوئی تشبہ اور موافقت تک راہ نہ پائے۔

اس تفصیل کے ہوتے ہوئے حجاب شرعی کی کسی ایک چھوٹی سی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ آئندہ دوسری ان ضروری قیود کو بجالہا باقی رکھ سکے گی، جن کو آج وہ بھی ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہَوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک برابر کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پُورے طول کو مکمل نہ کر لے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حیائی آئی وہ اک دم اور ابتداً ہی نہیں آ گئی بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت نا اندیشی سے ... غیر مُضر سمجھ کر اختیار کیا لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اصول کے

ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا پر پہنچ کر رہیں جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے تھے۔ طبع بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

غیر اقوام کی صنفِ نازک نے جب گھر کی چار دیواری کا پردہ توڑ ڈالا تو میدان میں آکر آواز کا پردہ اٹھا دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ رہا۔ آوازوں نے عریاں ہو کر چہروں کو بے حجاب کیا اور چہروں نے کھل کر نگاہوں کے پردے فاش کیے۔ آزاد نگاہوں نے خیالات کو آزاد کر دیا، آزادی خیال نے حجاب خیال کو چھانٹ دیا۔ لباس کی قطع برید نے اولاً اعضاء حسن کو بے نقاب کیا، سینہ و گلو، اور بازوؤں کی نمائش شروع ہوئی۔ عریاں حسن نے اعضائے شہوت سے پردے ہٹا دیئے پنڈلیاں اور پھر رانیں بے حجاب ہوئیں۔ بے حجابی کے مبادی پورے ہو کر مقصد قریب تر ہو گیا اور آخر کار وہ شرمگاہیں بھی بے حجاب ہو گئیں جن کے ڈھانپے رکھنے کے لیے حجاب کا یہ طویل سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور آج ان ہی یورپین بے حجابیوں میں بالکل برہنہ تن مرد اور عورتوں کی تعداد بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔

انقلاب اخبار لکھتا ہے :-

"فرانس اور جرمنی میں مادر زاد برہنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے جرمنی میں برہنگی کی ایک انجمن بنی ہوئی ہے اسکا نام انجمن ملّیہ برہنگی ہے اس کے ارکان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں عورتیں بکثرت شریک ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں اس کے ارکان چالیس لاکھ

تک پہنچ چکے ہیں"۔

(انقلاب لاہور ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

مدینہ بجنور نے فرانس کے بارے میں اطلاع شائع کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے (اہل فرانس) نے اس خیال (فطرت پرستی) کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایوانِ فطرت قائم کیا، جس سے ہزارہا اشخاص بطورِ ممبر شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ سبزی پھل اور پانی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طریقۂ لباس کو خیرباد کہکر انہوں نے نہاتے وقت پہننے کا نیم عُریاں لباس اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض انتہا پسند ممبر کہتے ہیں کہ اتنا لباس استعمال کرنا بھی محض ڈھکوسلا ہے اور انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آئندہ سے بالکل ننگے رہا کریں گے اس فطرت پرست جماعت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچّے سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، جرمنی میں اس عقیدے کے لوگوں کی تعداد سالِ گذشتہ ۳۰ لاکھ تھی اور اس سال اس تعداد میں ۱۰ لاکھ کا اور اضافہ ہُوا"۔

(مدینہ بجنور ۹ مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

ظاہر ہے کہ بے حجابی کے اس انتہائی نقطہ پر پہنچنے کے بعد یورپ کے عیاشوں میں ان اعلانیہ حرام کاریوں کا بے تکلف ارتکاب ذرا بھی حیرت انگیز نہیں جن کو انواع و اقسام کے حجاب کے ذریعہ دین الٰہی نے دفع کیا تھا اور جن کے

اعداد و شمار کا ایک مختصر نمونہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گے جن تک ان کے یورپین معلم پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ بلکہ اس حقیقت کو عام اصولی الفاظ میں یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ تعلیمات نبوۃ کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات اتباع ہی میں منحصر ہے۔ ابتداع و اختراع عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

افسوس کہ آج قوم کو اس پر بھی غور کرنے کی فرصت نہ رہی کہ یورپ آزادی نسواں کے چکر میں پھنس کر خود اپنے حق میں کس نتیجے پر پہنچا ہے؟ یہی نا کہ عورت کی آزادی، مرد کی غلامی اور بے بسی پر منتج ہو گئی ہے۔ یعنی عورت پہلے حجاب سے نکلتی ہے، پھر اپنے آپے سے نکلتی ہے اور پھر مرد کے قبضہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ آزادی کی ایک کڑی دوسری کڑی کو طبعی کشش کے ساتھ کھینچتی ہے۔ عورت کو جب کبھی مرد کی جانب سے کسی قدر ناجائز آزادی ملتی ہے تو پھر وہ اسی حصہ پر قناعت کر کے نہیں بیٹھ رہتی جو مردانہ طبقہ کی تجویز سے ابتدا میں قائم کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود آزادی کی قانون سازی میں بھی آزاد ہو کر اس میں ایسی دفعات کا اضافہ کرتی ہے، جنہیں ایک مردانہ عقل بشرطیکہ اس میں مردانگی کا کچھ جز باقی ہو، کسی حالت میں گوارہ نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ پرانی آزادی کا مرد اس نئی آزادی کی عورت کے سامنے اس لیے لب نہیں ہلا سکتا کہ ایک آزادی دوسری آزادی پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔

ورنہ پھر وہ آزادی ہی کیا ہوئی، جس پر کوئی دوسری آزادی غلامی کی قید و بند عائد کر دے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آزاد قوم بجز اس کے کہ اپنے ایک نصف طبقۂ نسواں پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنی آئندہ نسل پر جو اس عورت سے ظہور پذیر ہو، پیشگی ہی آنسو بہائے اور ساتھ ہی اپنے ان دوستوں کی عقل و فہم کا ماتم کرے جنہوں نے اِس آزادی کا پہلا بیج بویا تھا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

پردے کے بارے میں یورپ کی رجعت

خود یورپ ہی میں گریہ و بکار شروع ہو چکا ہے اور ملک کا ایک طبقہ عورت و مرد کی اس بے حجابانہ آزادی کو ملک و قوم کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا ہے جس کے کھلے کھلے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ متمدن یورپ کی تقلید پر فخر کرنے والوں کے سامنے یورپ کے افعال تو سب کے سب پیروی کے لیے سامنے آجاتے ہیں، مگر ان افعال کے سلسلہ میں خود اسی کے تجربہ کردہ نتائج کھل کھل کے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ انجام بینی مقلد ہی میں کب آسکتی ہے جبکہ امام ہی میں اس کا پتہ نہیں، یورپ کے فاضل بھی بھگتنے اور خرابی بسیار کے بعد اس نقطہ کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنا شروع کرتے ہیں جس سے انکار و انحراف کر کے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے ملکی پیروکار بھی اگر اس ناعاقبت اندیشی کی خصلت کا شکار ہوں تو کیا تعجب ہے؟

آج کون ہندوستانی نہیں جانتا کہ مشرق میں اس مغربی بے حجابی کا آنا مغربی تعلیم کا ثمرہ اور مغربی معاشرت کو مشرقی لڑکیوں میں تعلیماً پھیلانے کا نتیجہ ہے لیکن پھر وہ ہندوستانی مرد نہیں ہیں تو کون ہیں، جو ان لڑکیوں کو آج گھروں کی چار دیواری سے نکال کر کھلے اسکولوں اور عام کالجوں کے احاطوں میں پہنچا رہے ہیں بلکہ اُوپر سے مخلوط تعلیم کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔ تعلیمی سیناؤں کی کرسیاں اُن سے پُر کر رہے ہیں اور اُنہیں اس مخرب اخلاق تعلیم کی ڈگریاں دلا کر لڑکپن ہی سے حدودِ خانہ اور قیودِ خانہ داری کو ان کی نظروں میں بے وقعت اور بے جا بنا رہے ہیں۔ ان ہی مخرب کورسوں کی معلومات کا یہ نتیجہ بہت تیزی سے سامنے آتا چلا آرہا ہے کہ ان کی آنکھوں سے حیاء کا پانی ڈھلتا جا رہا ہے اور ان کے حوصلے اور خیالات کی جولانیاں کسی حدو نہایت کی پابند نہیں رہتی جا رہی ہیں، یہ آزادی معصوم لڑکیوں کو تیزی سے دوڑا رہی ہے لیکن کس میدان میں؟ اطاعتِ شوہر، گھریلو زندگی، اقربا سے پاک محبت وسلوک، حیاء وعفت اور شرم و پاک دامنی کے میدان میں نہیں۔ بلکہ خلط و اختلاط، سینما، تھیٹر اور پارک کی بے باکانہ سیر و تفریح نیم عریاں لباس، ناچ اور گانے کی مشق، بے تکلفانہ باتوں اور دوستانہ ملاقاتوں کے میدان میں پس مغربی تعلیم سے خیالات میں وُسعت، ضمیر کی حُریت، معلومات کی کثرت اور بیداری کی قوت ضرور پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن خُدا پرستی کے معیار پر نہیں بلکہ خُود پرستی، نفس پروری اور تعیش کے معیار پر۔

عورت کے لیے کثرتِ معلومات قابلِ مدح نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اسی کثرتِ معلومات اور بیداری پر رد کرنے کے لیے قرآن کریم نے خواتین میں لاعلمی اور واقعاتِ دُنیا سے غافل رہنے کی صفت کو موضع مدح میں ذکر فرمایا تھا اور اس طرح ان کی پاک دامنی کی نصرت و حمایت کی تھی ارشادِ حق ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں پر جو پاکدامن ہیں اور ایسی
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي	باتوں (کے کرنے) سے بالکل بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	ہیں، ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کیجاتی ہے اور ان کو
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ط	(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا"

ادھر تو پاک باز عورتوں کے لیے ان تمام وسیع الخیالیوں اور بیداریوں سے جو آج کی تہذیب و تمدّن کا نمایاں شعار بنی ہوئی ہیں، غافل رہنا ہی ہنر بتلایا گیا اور اُدھر ان بے خبر اور غافل خواتین پر تہمت لگانے والوں کو ملعونِ دُنیا و آخرت کہا گیا جس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ غافل اور بے خبر بیبیاں عادۃً موضعِ تہمت نہیں بن سکتیں کہ وہ عالم سے یکسو اپنی چار دیواری میں حیاء و عفت کو تھامے بیٹھی رہتی ہیں، اسی لیے ان پر تہمت لگانے والوں کو غیر معذور سمجھ کر ملعون فرما دیا گیا ورنہ بیدار، باخبر، دیدہ باز اور ہر طرف دوڑنے گھسنے والیوں پر تہمت لگانا، چونکہ موضعِ تہمت میں تہمت لگانا ہے، اسی لیے تہمت لگانے والے قابلِ الزام نہیں اور نہ اظہارِ تہمت سے قابلِ لعنت ہی شمار ہوں گے۔ اس صورت میں اگر

[illegible]

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار رہؤا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

"جب کام نا اہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو"۔ — اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہوگئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہوگا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزارہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیا سوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادیٔ ضمیر کے نام سے انجامِ کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

عملاً اسی تخریبی نتیجہ کا شکار ہوا، جس کا اُسے اعتراف ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام نے عورت کی امارت اور قانون ادائی کو جائز نہیں رکھا۔ صاف فرما دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دیدی۔ حضورؐ کے دورِ خیر و برکت میں ایران کے تخت پر جب شاہی خاندان کی ایک عورت بٹھلائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "جب کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کرو۔"

سو کوئی شبہ نہیں کہ ایران کی طبقاتی قیامت قائم ہو گئی، قوم کا تختہ اُلٹ گیا اور ایران کی طاقت تتر بتر ہو کر عرب فاتحین کے ہاتھ میں آگئی۔ گویا عورت کی قیادت کا نتیجہ بعد چندے قومی تخریب کی صورت میں نکل آیا، جس کی لسانِ نبوت پر خبر دی گئی تھی۔

پس اگر ایک سیدھی سادی بے خبر لڑکی پر تہمت دھرنے والا نصِ قرآنی میں لعنت کا مستحق قرار پایا تو ان غافلات کے لیے اسبابِ تہمت مہیا کرنے والا کس طرح اس بُرائی کے استحقاق سے بری رہ سکے گا؟ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مستحق ہو گا کیونکہ تہمت دھرنے والا تو ایک تہمت دھرتا ہے اور اسبابِ تہمت جمع کرنے والا ہزار ہا تہمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ کی عبارت اور مقتضیٰ سے ایک طرف تو لڑکیوں کا ان حیاسوز تعلیمات و معلومات سے جو وسیع الخیالی اور آزادئ ضمیر کے نام سے انجامِ کار ہوس رانی اور آوارگی کا ذریعہ بنتی ہیں، بے خبر رہنا مصلحت قرار پایا اور دوسری طرف

اس بے خبری و مصلحت کو مٹا کر مصطلحہ بیداری پیدا کرنے والے اسباب و وسائل مثل گرلز سکول، کالج، سینما، اجتماعی کلب، نسوانی پلیٹ فارم وغیرہ کا قائم کیا جانا مکروہات شرعیہ میں سے ٹھہرا۔

ہاں! عورتوں کی وہ باخبری اور وسیع الخیالی جو شرعاً مطلوب ہے اور اس کی تحصیل کا وہ طریق جو عند اللہ مستحسن ہے، قرآن کی لسان میں یہ ہے کہ :۔

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ط	"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔"

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم گاہ کالج و اسکول تو بجائے خود رہے اسلامی نام کے مکاتب بھی قرار نہیں پاتے بلکہ وہی رہنے کے گھر اور ان میں بھی وہی بیوت جو بے پردگی سے دور ہیں، مدرسے قرار پاتے ہیں۔ نیز اسی سے کھل جاتا ہے کہ لڑکیوں کے معلم کون ہو سکتے ہیں آیا سکولوں کے ماسٹر، بے باک استانیاں یا بیوت کے اہل بیوت جن میں محرم کے سوا کوئی دوسرا نہیں جم سکتا۔

پھر صراحتہً آیت ہی سے نوعیتِ تعلیم بھی مشخص ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ وہ جغرافیہ اور مساحت کی تعلیم نہیں ہے کہ انہیں بھاگنے کی راہیں اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائیں۔ بی اے، ایم اے کی ڈگریاں نہیں کہ انہیں ملازمت کے لیے دفاتر کی تلاش ہو، اور اس طرح مردوں کا معز اختلاط بڑھتا رہے۔ بلکہ آیات اللہ اور حکمت کی تعلیم ہے۔ جس سے ان کے قلوب میں جذبات صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں اور ان میں ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف خانہ داری اور

اعزاء واقارب کے شرعی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جس تعلیم کو آج کی اسلامی قوم بلا کسی نتیجہ اور انجام پر غور کئے ہوئے محض تشبہ بالنصاریٰ کے جذبہ سے ضروری سمجھ رہی ہے۔ اسی تعلیم کو شریعتِ اسلامی داعیہ ترک تشبہ سے مُضر اور مہلک بتلا رہی ہے، تعجب ہے کہ اس مُضر تعلیم کے اُستاد (اہلِ یورپ) تو اس کے مہلک نتائج سے تنگ آکر اسے ترک کر دینے کے اسباب پر غور کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بے بصر شاگرد اپنی بے وزنی اور خمار تشبہ سے مخمور ہو کر اس کے وسائلِ ترقی کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اخبار کانسٹ آف لاہور لکھتا ہے کہ :۔

"ولایتی اخبار کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ سے یورپ کے بعض خطوں کی عورتیں آج کی پبلک زندگی سے اکتا کر پھر اسی گھریلو زندگی کی طرف آ رہی ہیں، مزدور اور کلرک عورتیں اپنے ان بیرونی مشاغل سے تنگ آکر اسی "عہد تاریک" یعنی خانگی زندگی کی یاد میں مصروف ہو رہی ہیں، اسکولوں اور زنانہ کلبوں میں امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم دی جانے لگی ہے، متمول گھرانوں کی عورتیں غریب عورتوں کے پہلو بہ پہلو امورِ خانہ داری سیکھنے پر مجبور ہو رہی ہیں۔"

لیکن اس "عہدِ روشن" کی نوخیز ہندوستانی عورتیں اپنی جمی جمائی خانہ داری اور خانگی زندگی کو ان مفاسد کا تجربہ اور مشاہدہ کرنے کے لیے پبلک زندگی اور پبلک طرزِ تعلیم کی طرف سرعت کے ساتھ دیوانہ وار دوڑ رہی ہیں۔ یورپ کی عورت بلاشبہ ایک مُدّتِ دراز تک سیاسی حقوق کے اصول اور مردانہ مشاغل اختیار کرنے

کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی۔ لیکن کامیابی کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے ان غیر قدرتی مشاغل سے اکتا کر پھر گھر کے گوشۂ عافیت کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوگئی۔

گویا اس نے قوانینِ قدرت کو توڑنا چاہا اور اُن سے بغاوت کی۔ لیکن بہت ہی جلد شکست اور پسپائی کا وہ انجام اس کے سامنے آگیا جو قدرت کے ایک باغی کا ہونا چاہیئے۔ پھر کیا ہندوستان کی مذہب دوست اور شرمیلی عورت بھی اپنی انتہائی رسوائی اور شکست کے لیے وہی بغاوت حق کا میدان تلاش کرنا چاہ رہی ہے۔ جس کا انجام آنکھوں سے درِ حدیث دیگراں دیکھ بھی رہی ہے۔ السعید من وعظ بغیرہ وشقی من شقی فی بطن امہ۔

بہر حال جذبات شباب کا خلاصہ، اظہار جوش، عورت کی طرف میلان اور رنگ رلیاں منانا تھا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روک تھام کا نقشہ بصورتِ حجاب پیش کر دیا، اور واضح کر دیا کہ تعمیری اور اصلاحی طور پر کوئی پہلو شریعت نے خالی نہیں چھوڑا کہ جس میں حجاب حیاء کی تعلیم نہ دی ہو۔

فللہ الحمد والمنۃ

مسئلہ حجاب کا دفاعی پہلو

ہم نے اس سلسلہ کے مسائل تاریخ واخلاق اور شرعی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیے، جس میں مسئلہ کا صرف تحقیقی پہلو پیشِ نظر تھا، لیکن مخالفینِ پردہ اپنے اختلاف کے کیا دلائل رکھتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے ابھی باقی ہے۔

اس لیے تحقیقی پہلو کے بعد دفاعی اور الزامی پہلو کی تشریح بھی کسی حد تک ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

پردہ پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

حجابِ نسواں کے مقابلہ میں پردہ دری کے حامی و داعی اکثر و بیشتر حجاب کی چند مشہور اور زبان زد معترضیں اقتصادی اور تمدنی حیثیت سے پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حجاب کا پابند یہ اگر عورتوں کو دوسروں سے روک دیا جانا ان کی طرف سے اور زیادہ میلان و رغبت کی راہ کھول دینا۔ کیونکہ مجربہ اصول ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" (جس سے انسان کو روک دیا جائے اسکی اور حرص کرتا ہے) پس جس قدر انہیں چھپایا جائے گا اتنا ہی ان کی طرف رغبتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اور ایسی حالت میں ان فتنوں کا زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے جو بے پردگی کی حالت میں ہو سکتے تھے، لیکن عورتیں بے نقاب ہو کر منظرِ عام پر آجائیں تو دیکھتے دیکھتے طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور جوش و رغبت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عورتوں کے جب بے نقاب کر دیئے جانے کی صورت میں ان کو بار بار دیکھتے رہنے ہی سے دیکھنے کے جذبات سرد پڑ سکتے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد اگر اس کے اعضاءِ پنہانی کو دیکھنے اور استعمال میں لانے کے جذبات اُبھر جائیں اور کسی طرح بلا دید و استعمال یہ جوش ٹھنڈا نہ ہو تو کیا یہی اقتصادی مفتی عورت کو بالکل برہنہ تن باہر نکالنے اور اس کو ہر طرح استعمال میں لانے کا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟ اور اپنے اسی اصول پر پختہ رہیں گے کہ ارتکابِ معصیۃ ہی ترکِ معصیۃ کا ذریعہ ہے؟ اگر اقتصادی بہبود کا سنگِ بنیاد اسی اصول پر ہے تو انہیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہیئے کہ دُنیا کے تمام سرمایہ دار جو اپنی دولت چھپا کر رکھنے کے عادی چلے آ رہے ہیں فی الحقیقت چوروں کی مالی رغبت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دولت کی تھیلیاں منظرِ عام پر لٹکا دیں یا سڑکوں پر بکھیر دیں تاکہ چوروں سے دولت گیری کی حرص قطع ہو جائے لیکن اگر دولت دیکھ کر سارقوں کے جذباتِ حرص سرد نہ ہوں، بلکہ حرصِ مزید کے ساتھ اس پر ادر قبضہ جمانے کے جذبات بھڑک اُٹھیں تو پھر ان سرمایہ داروں کے لیے اقتصادی حیثیت سے مناسب ہوگا کہ اپنی دولت سے ہر قسم کی محافظت اور قبضہ کے حجابات بھی اٹھا لیں تاکہ غریب چوروں کے یہ قبضہ خواہی کے جذبات بھی قبضہ کر کے ٹھنڈے پڑ سکیں۔ بلکہ ان ہی مُفتیوں کو اس اقتصادی بہبود کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر دُنیا کی تمام گورنمنٹوں کو اس پر مطلع کر دینا چاہیئے کہ وہ اخلاقی جرائم کی ممانعت سے ہاتھ کھینچ لیں اور پولیس کے محکمہ کو یکسر موقوف کر دیں جو ہر وقت اخلاقی مجرموں کو جرائم سے روکنا اور ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جرائم کی یہ ممانعت ہی جرائم کی

حرص بڑھ رہی ہو اور ارتکابِ جرائم بہت حد تک ممانعتِ جرائم ہی کی بنا پر ہو رہا ہو۔ اس لیے ملک کو جرائم میں آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم کے عام ہو جانے سے طبائع ان سے سیر ہو جائیں اور اس طرح انسدادِ جرائم ہو کر ہمہ گیر امن قائم ہو جائے۔

اگر یہ اقتصادیات کے دانا روپیہ کو سڑکوں پر پھینک کر چوروں کی مالی حرص مٹا دیں اور اگر قوانین انسدادِ جرائم اٹھا کر جرائم پیشوں کو پرہیزگار بنا دیں تو پھر انہیں ضرور حق حاصل ہے کہ اپنی عورتوں کو برہنہ پیش کر کے مردوں کو عفت مآب اور اتقیاء بنانے کی سعی شروع کر دیں۔

ممکن ہے کہ دُنیا کے ہزار ہا سالہ زندگی کے کسی دور میں اس اصُول کا تجربہ کیا گیا ہو لیکن آج تک کسی مورّخ یا عقلمند سیاح نے تو اس کا پتہ دیا نہیں۔

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی تاریخ مستقبل کے لیے کوئی اسوہ پیش کرے۔ لیکن وہ اسوہ کیا ہو گا کہ ان جرائم کی کثرت نے جرائم کو مٹا دیا تھا؟ یا بے پردگی اور عریانی نے فحش اور بے حیائی کی بیخ کنی کر دی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سادہ لوح اقتصادی اتنا نہ سمجھ سکے کہ جرائم اور معاصی کی کثرت آیا جرائم کا استیصال کرتی ہے یا جرائم کی برائی تک کو دلوں سے نکال دیتی ہے؟ بلاشُبہ جرائم کے کھُلتے رہنے سے ان کا انسداد نہیں ہوتا، بلکہ اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ ہاں کثرتِ ارتکاب سے دلوں میں سے جرائم کی برائی ضرور نکل جاتی ہے اور اس کا یہ ثمرہ ضرور نکلتا ہے کہ سب مُبتلا ہو کر ایکدوسرے کو روکنا اور ملامت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہر ایک کے دل میں سے معصیّت کا خوف اور اس کی رکاوٹ نکل جاتی ہے اور بے دھڑک

معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ پس اس اصول پر یہ تو کسی طرح لازم نہیں آتا کہ معصیت باقی نہ رہے۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ معصیت ان کے دلوں میں معصیت باقی نہ رہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب برائی کو خوبی سمجھ کر کیا جانے لگے اور اس پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس صورت میں ان اقتصادی مسکینوں کا یہ دعوے کہ:۔

"عورتوں کو منظرِ عام پر لانے سے فواحش کا سدِ باب ہو جائے گا"

بایں معنی ضرور درست ہو جاتا ہے کہ جب فواحش دلوں میں فواحش ہی باقی نہ رہیں گے تو فواحش کا سدِ باب ہو گیا، لیکن یہ فواحش کا سدِ باب نہیں، دلوں سے ان کی برائی کا سدِ باب ہے، اب تک وہ معصیت سمجھ کر کیے جا رہے تھے اور اب ہنر سمجھ کر کیے جائیں گے، جس کا حاصل علم و فہم کا الٹ جانا یا صحیح علم کا مٹ جانا ہے معاصی کا مٹ جانا نہیں گویا دلوں میں بے حسی کا انجیکشن ہو جاتا ہے جس سے دل کی حس جاتی رہتی ہے جس سے وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھے ہوئے تھا۔

بہر حال اس اصول پر ارتکابِ جرائم سے انسدادِ جرائم ہو جاتا ہے مگر بایں معنی کہ سیاہ دلوں کے نزدیک جرائم میں جرم کے معنی باقی نہیں رہتے نہ بایں معنی کہ جرائم کے افعال باقی نہیں رہتے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اقتصادی رہنما اس قاعدہ (الانسان حریص فیما منع) کی نہ حقیقت کو سمجھے اور نہ اس کے مواقع استعمال میں اسے استعمال کرنے کے سلیقے ہی سے آشنا ہوئے، انہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ مثل کہ "کسی شے کے روک دیئے جانے پر انسان کی حرص اس میں اور بڑھ جاتی ہے" کلیتہً درست نہیں، بلکہ

صرف ان صورتوں میں استعمال کی جاتی ہے کہ انسان کو کسی مرغوب شے سے کلیتہً روک دیا جائے اور کسی حالت میں بھی تحصیلِ مرغوب کی اجازت نہ دی جائے ورنہ اگر کسی انسان کو اصل مرغوب سے نہ روکتے ہوئے صرف اس کے بعض افراد کی ممانعت کر دی جائے اور بعض کی اجازت دیدی جائے تو وہاں اوّل تو سلیم طبائع میں حرص ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کسی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے تو اس شے کے دوسرے جائز افراد اس حرص کا تدارک کر دیتے ہیں۔ مذکورہ صورتوں ہی میں دیکھ لو کہ جرائم پیشگان مال کو کلیتہً مال سے نہیں روکا گیا بلکہ اُس کے مخصوص افراد مالِ مسروقہ، مالِ غصب وظلم، مالِ قمار، مالِ رشوت، مالِ ربوا وغیرہ اور بالفاظِ مختصر مالِ حرام سے روکا گیا اور ساتھ ہی اسکے دُوسرے جائز افراد مالِ تجارت، مالِ زراعت، مالِ حرفت، مالِ ملازمت وغیرہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس لیے عقلاً ایسی ممانعتیں، حرصِ تسلید کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتیں۔ جبکہ دوسرے افراد کی اجازتیں اس حرص کو سرد کرنے کے لیے موجود ہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حجابِ نسواں کے ذریعہ نہ تو نفسِ عورت سے روکا گیا ہے نہ نفسِ انتفاع سے، بلکہ اس انتفاع کے بعض مُضر اور ناجائز افراد یعنی انتفاعِ زنا اور انتفاعِ فحش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے جائز افراد انتفاعِ نکاح کو اسی عورت سے جائز بھی بتلا دیا گیا ہے۔ پس مطلقاً عورت اور اس سے انتفاع حرام نہ ہُوا بلکہ اس کی مخصوص صورتیں اور حالتیں حرام ہوئیں۔ پس اگر ان خاص ممانعتوں سے عورت کی حرص پیدا ہو سکتی ہے تو دوسری خاص اجازتوں سے اس سے سیری بھی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حجابِ نسواں عورتوں سے روکنے کے لیے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے ناجائز وسائلِ تحصیل

اور گندے وسائط انتفاع سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف حدیثِ نبویؐ میں اشارہ موجود ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر اچانک پڑ کر طبیعت میں شہوانی خیال پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ فوراً اپنی عورت کے پاس چلا جائے۔ گویا ایک قوت کو جب ایک راستہ سے صرف کرنے سے روک دیا گیا تو اسی وقت دوسرا راستہ اس کے نکاس کا بھی بتلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ گندی اور مضر اشیاء سے روک دیا جانا سلیم طبائع میں ان کی طرف کوئی میلان اور حرص پیدا نہیں کرتا، کیا بول و براز سے روک دیا جانا اسکی طرف رغبت پیدا کرتا ہے؟ کیا سنکھیا سے روک دیا جانا اس کی طرف میلان پیدا کرتا ہے؟ کیا کنوئیں میں، کھائی میں گرنے سے روک دیا جانا، اس میں کود پڑنے کی حرص پیدا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں: بلکہ طبائع سلیمہ میں جو ان اشیاء کی گندگی اور مضرت کا یقین رکھتی ہیں۔ ایسی ممانعتوں سے ان اشیاء کی نسبت اور نفرت و رکاوٹ بڑھ جاتی ہے اور ممانعتوں کی قدر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ممنوعات کی گندگی یا مضرت ہی کا علم ریقین نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے دیوانوں کو جو بدیہیات تک کے منافع و مضار سے بے خبر ہوں، اپنی جہالت اور خرمزاجی کا علاج کرنا چاہیئے نہ کہ علم اور اہلِ علم کے مُنہ آجانا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طبائع سلیمہ جو شرعی کیفیات سے آشنا ہیں اور نکاحی منافع کی روحانی پاکی اور زنائی لذّتوں کی ناپاکی و خباثت اور روحانی مضرت کا احساس رکھتی ہیں۔ ان شرعی ممانعتوں کے بعد فحش سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ حرص و رغبت میں۔

بہرحال اوّل تو یہ قاعدہ الانسان حریص فیما منع جس پر انفصادیوں کے

اس بے بُنیاد وہم کی بُنیاد تھی، کُلیۃً نہیں ہے اور جہاں جہاں چلتا بھی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی مرغوب کی کلیتہً ممانعت کر دی جائے اور ظاہر ہے کہ حجاب نسواں اس قبیل سے ہے ہی نہیں کہ اس کے ذریعہ انتفاعِ نسواں کی کلیتہً ممانعت ہے اس لیے اعتراض کی بُنیاد ہی منہدم ہو گئی اور جتنی بے بنیاد عمارت قائم تھی وہ گر گئی اور ثابت ہو گیا کہ عورت کی طرف ناجائز رغبت حجابِ نسواں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت کے کھوٹ نفس کی آزادی اور جائزات پر قناعت نہ کرنے کی بنا پر ہوئی جس کا اکثری حیلہ اور بیشتری وسیلہ یہی بے حجابی اور بے پردگی ہے۔

دُوسرا اعتراض اور اس کا جواب

(۲) حجاب شکن قوم کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ پردے کے تقیدات اور گھروں کی چار دیواری میں ۲۴ گھنٹے کے جیل نے عورتوں کی صحت خراب کر دی، نہ اُنہیں تازہ ہوا میسّر آتی ہے نہ وہ کہیں آزادی سے باہر آ اور جا سکتی ہیں ان کی حالت ایک قفس زدہ طائر کی سی ہے جو گھر کے پنجرہ میں بند ہے، ان کی اس خرابی صحت کا اثر اولاد اور نسل پر پڑتا ہے اور نتیجتہً کہا جا سکتا ہے کہ یہ حبسِ بیجا (پردہ) قومی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ گھر کی چار دیواری کی ان قیود کی حیثیت سے مرد اور عورت میں فرق کیا ہے۔ اگر گھر میں رہنا ہی مُضرِ صحت ہے تو مرد بھی اسی گھر میں مقیم ہے جس میں عورت رہتی ہے۔ یقیناً وہ گھر تنہا عورت کا قفس نہیں بلکہ مرد کا بھی ہے بلا ضرورت جس طرح عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا لغویت ہے مرد

کے لیے بھی ہے اور ضرورت سے باہر جانا خواہ وہ دینی ضرورت ہو یا دنیوی۔ اگر مرد کے لیے سدِ راہ نہیں تو یقیناً عورت کے لیے بھی نہیں۔ ہاں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ عورت چہرہ ڈھانپ کر نکلے گی اور مرد کھلے منہ۔ مگر منہ ڈھانپ کر باہر نکلنا اور کسی غیر کو اپنے چہرہ سے آشنا نہ بنانا مُضرِ صحت نہیں۔ سوتے ہوئے عموماً اور کبھی جاگتے ہوئے بھی سردی اور برسات میں مرد اور عورت دونوں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور رات بھر ڈھانپے پڑے رہتے ہیں مگر ان کی صحتوں پر محض اس فعل سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ یہ سونے والے جب صبح کو منہ کھولا کرتے تو بیماریاں ان کے چہروں پر کھیلتی ہوئی نظر پڑا کرتیں۔

بہر حال گھروں میں رہتے ہوئے مرد اور عورت کی زندگی یکساں ہے بلا ضرورت گھر سے باہر جانے میں بھی اور ضرورتاً گھر سے نکلنے میں بھی، چاہے ضرورتیں متفاوت ہوں۔ پھر نہ معلوم گھر کی چہار دیواری صرف عورت ہی کے لیے قفس کا حکم کیوں رکھتی ہے؟ رہا عورت کا بہ نسبت مرد کے گھر میں زیادہ ٹھہرا رہنا سو یہ طولِ مقام اگر کسی قید و بند کی وجہ سے ہوتا اور وہ نوعیت رکھتا جو جیل میں ایک قیدی کی ہوتی ہے تو بلاشبہ عورت کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عورت طولِ قیام جبری نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اختیاری ہو کر حدِ ضرورت میں ہے غیر ضروری نہیں اور ضروری ہو کر طبعی ہے جسے وہ خود پسندیدہ محسوس کرتی ہے غیر طبعی نہیں۔ کیونکہ عورت کے خانگی وظائف اور گھریلو کاروبار ہی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ بھی اپنے طبعی تقاضا سے بہ نسبت مرد کے زیادہ گھروں میں رُکی رہے، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کھانا پکانا، سینا پرونا

اثاث بیت کی دیکھ بھال، خانگی احاطہ کی نگرانی وغیرہ ایسے امور ہیں، جو قدرتی طور پر گھر کے احاطہ ہیں اس کے طول مقام ہی کو چاہتے ہیں اور وہ اپنی خوشی و خواہش اور فرض شناسی کے تحت خود ہی اس طول قیام کو باہر کے آنے جانے پر ترجیح دیتی ہے۔ پس حقیقتاً عورت کا یہ گھریلو طول قیام اس کاروبار کا اثر ہے جو قدرتی طور پر گھروں ہی میں انجام پا سکتے ہیں اور فطرتاً عورت ہی سے متعلق ہیں۔ اگر یہی وظائف اتفاقاً غیر فطری طور پر کسی مرد کے سپرد کر دیئے جائیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح گھر کا مقید بن جائے گا یا گھر کی مالکہ کے بجائے کسی ملازمہ کو تفویض کر دیئے جائیں تو پھر یہ حبس خانہ اسی کے سر آپڑے گا، چنانچہ جو لوگ اپنی اپنی عورتوں کو جیبی گھڑی کی طرح ہر وقت جیب سے ملحق رکھتے ہیں، انہیں لامحالہ ان مذکورہ فرائض کے لیے دوسری ملازمہ عورتیں یا ملازم مرد تلاش کرنے پڑتے ہیں جو ان فرائض کو قبول کر کے اسی نہج سے گھر کے احاطہ کے مقید ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھر کی مالکہ ہو سکتی تھی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ خود مالکہ ان قیود کو طبعی طور پر سر لیتی ہے اور ملازم جبری اور قہری طور پر۔

بہرحال یہ خانگی حبس کی قید و بند جبر و تشدد کی نہیں بلکہ ضروریات کی قید ہے جس طرح مرد خود اپنے کاروبار اور سر لیے ہوئے فرائض میں مقید ہو کر ان کارخانوں کی چار دیواری کا مقید ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ وظائف ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ملازمت پیشہ تا مشغولیٔ فرائض دفاتر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے، معلم و متعلم اسکولوں کے کمروں میں مقید رہتا ہے۔ کاشتکار کھیت کے رقبہ میں مقید ہوتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی اپنی ورکشاپوں کے قیدی بنے رہتے ہیں۔ دستکار اپنی

دکانوں کے پنجرہ میں محبوس رہتے ہیں، انجن کے قلی انجن کی بھٹی اور گرم خانے میں محبوس رہتے ہیں، پھر یہ قیود کہیں چھ گھنٹے کی ہیں، کہیں بارہ گھنٹے کی، کہیں چوبیس گھنٹے کی، اور اس قید سے رہا ہو کر پھر اسی چار دیواری کی قید ملتی ہے جس میں ان کی عورتیں مقید ہیں۔

غرض چوبیسؔ گھنٹہ میں بیداری کا اکثر حصّہ ان ہی احاطوں کی قید و بند میں گزرتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ان مختلف احاطوں کی قید و پابندی نے ان کی صحت کو خراب و بر باد اس لیے کر رکھا ہے کہ شہروں کی ان دکانوں اور ورکشاپوں میں جنگل کی تازہ ہوا نہیں آتی۔ لہٰذا ان سے یہ سارے مشاغل چھڑا کر انہیں جنگلوں میں پھرایا جائے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس فرضی صحت کے حصول کے لیے ہر اُس شخص کو جو اپنے طبعی مشاغل میں لگا ہوا ہے۔ اس کی طبعی حدود سے نکال کر کچھ مالوف المنصب بیکاریاں سپرد کر دی جائیں۔ عورت کو گھریلو مشاغل سے نکال کر شہر کے احاطہ میں لایا جائے، شہریوں کو شہری مشاغل سے نکال کر جنگلی رقبوں میں گھمایا جائے اور جب شہری جنگل میں پہنچ جائیں اور وہ جنگل ان کے لیے قید و بند ہو جائے تو پھر اُن کے لیے دُنیا سے باہر کوئی تفریح گاہ تلاش کی جائے۔ جیسے کرۂ قمر اور کرۂ مریخ میں جانے کے سامان ہو رہے ہیں۔ شاید یہ مرد دنیا کی قید و بند سے تنگ آچکے ہیں۔ اس لیے اب اُنہیں غیر دُنیا میں جانے اور بسنے کی تلاش پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی ہذیانی باتیں وہی کر سکتا ہے جو سارے ہی کار و بار سے معطل ہو، ورنہ دانشمند جانتا ہے کہ ان تمام اہلِ مشاغل کی یہ شغل خیز قید و پابندی جس میں اپنی اپنی نوعیت کے موافق

مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ جبری نہیں بلکہ طبعی اور اختیاری ہے اور اپنی ہی فطری دلچسپیوں کے ماتحت ہے اور ظاہر ہے کہ موافق طبع امور جبکہ مخل طبع نہیں ہوتے تو مخلِ صحت اور مورثِ مرض بھی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان چند عیش پسند اور سرمایہ دار افراد کے سوا جو جنگلی تفریحوں کے ہمہ سامان مہیا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ تمام انسانی کنبہ بیمار اور صاحبِ فراش رہا کرتا۔ حالانکہ قصّہ اس کے برعکس ہے۔ ان مشاغل میں رہنے والے عموماً تندرست اور دور از کار تفریحوں کے دلدادہ جن کے وقت کا اکثر حصّہ شاہدِ صحت کے خیال و شغف میں گزرتا ہے، ڈاکٹروں کی چوکھٹ اور طبیبوں کے مطب کی قید و بند میں گزارتے ہیں۔

بہرحال عورت کو گھر کی چہار دیواری میں اس کے فطری مشاغل اسی طرح مقید رکھتے ہیں، جس طرح مرد کو اس کے فطری مشاغل احاطہ ہائے مشاغل میں قید رکھتے ہیں، اگر وہاں صحت برباد نہیں ہو سکتی تو یہاں بھی نہیں ہو سکتی جیسے مرد کی ضروری ریاضت اس کے بوجھل اور مشقّت طلب کاروبار میں خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی ریاضت و محنت اس کی نوعیت کے مناسب گھریلو کاروبار میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ بیکاری مرد کے لیے بھی مضرِ صحت ہے عورت کے لیے بھی ہنگامی، وقتی اور موسمی بیماری سے نہ مرد مستثنیٰ ہے نہ عورت۔ غرض مرد و عورت کی گھریلو زندگی میں کون سا ایسا باہمی فرق ہے جس کی رُو سے عورت کی صحت کو خراب کہا جائے اور مرد کی تندرستی کو قابلِ اعتبار بتلایا جائے۔

عورتوں کی خرابیٔ صحت کا اصل منشاء

رہا یہ کہ آج کے طبقۂ نسواں کی خرابیٔ صحت اگر کسی حد تک تسلیم کرلی جائے تو وہ کن اسباب پر مبنی ہے؟ سو یہ پردہ سے الگ ایک مستقل بحث ہے اس میں بحث طلب پہلو یہ ہے کہ عورتوں کی یہ صحتِ عامہ کب سے خراب ہوئی؟ آیا ہمیشہ سے ہے یا کچھ عرصہ سے؟ ظاہر ہے کہ طبقۂ نسواں کی صحت ہمیشہ کی بگڑی ہوئی نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ ایک حادث کیفیت ہے جو شاید پچاس ساٹھ برس سے اوپر ثابت نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے خیال میں یہی مدت تدریجی طور پر مردوں کی صحت کے انحطاط و تنزل کی بھی ہے۔ پھر کیا مردوں کو بھی اس مدت میں پردہ کی قید و بند میں مبتلا رکھا گیا ہے جو ان میں امراض نے گھر کر لیا ہے یا پچاس برس اوپر کی عورتیں پردے کی قید و بند سے آزاد تھیں جو اُن کی صحت عامہ درست تھی؟ یا وہ آج کی طرح بازاروں، تفریح گاہوں میں ماری ماری پھرتی تھیں جس سے ان کی صحت کی ضمانت ہو گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ اگر عورت کی یہ آزادی قدیم دستور ہوتا اور عام مسلم طبیعتیں اس سے مانوس ہوتیں تو آج پردہ داروں کو پردہ شکنی رائج کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانا نہ پڑتا۔ پس پردہ شکنوں کا تبدیلیٔ روش چاہنا ہی خود اسکی دلیل ہے کہ قدیم تمدن میں عورت کے یہ بے حجابانہ وظائف نہ تھے جو آج اُس کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے حجابیاں جو آج رائج کی جا رہی ہیں پچاس برس اُوپر نہ تھیں اور دُوسرے

یہ واقعہ ناقابلِ انکار نکلتا ہے کہ آج کی نسوانی صحتیں بہ نسبت پچاس برس پہلے کے خراب اور برباد ہیں۔ ان دونوں مقدمات کے ملانے سے واقعاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ آیا یہ کہ پردہ مضرِ صحت ہے؟ یا یہ کہ بے حجابی مضرِ صحت ہے؟ جبکہ زمانۂ حجاب میں صحت کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور دورِ بے حجابی میں امراض حدِ کمال پر پہنچ گئے ہیں، تو نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ جوں جوں بے حجابی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں کی صحتیں تباہ ہوتی جاتی ہیں۔

یہ نتیجہ جس طرح واقعاتی ہے اسی طرح طبعی حیثیت سے بالکل طبعی بھی ہے۔ کیونکہ اجنبی مرد و عورت کے ہمہ وقت مخلوط اور ایک دوسرے کے رُوبرو رہنے کا قدرتی نتیجہ فسادِ خیال اور شہوانی جذبات کا تموّج ہے اور ظاہر ہے کہ جس درجہ شہوانی خیالات موجزن ہوں گے، اسی درجہ اعضاءِ شہوت میں انتعاش اور اُبھار ہوگا اور ایسا ہونے پر اسی درجہ مادہ باہ میں جوش اور سُرعت انتقال پیدا ہونا لازمی ہے اور سب جانتے ہیں کہ مادۂ باہ کا کم و بیش ہر وقت متحرک اور روبانتقال رہنا بدن کے لیے کس درجہ ضعف آرار اور چہروں کے لیے کس درجہ مزیل رونق ہے اور جبکہ طبیعت مدبرہ پر ہر وقت یہی بار ہے کہ وہ ذخیرہ جمع کرنے کی بجائے خرچ ہی کرتی رہے تو اُس کا قوت سے خالی رہتا جانا بھی طبعی ہے اور طبیعتِ مدبّرہ کا قوّت سے خالی رہ کر ضعف سے دبتے جانا ہی ہر قسم کے امراض کا پیش خیمہ ہے جس کی آج کمی نہیں۔

برخلاف دورِ سابق کے مرد و زن کا اختلاط عام نہ تھا اسلیے طبائع پر شہوانی

ہیجان بھی ہر وقت مسلط نہ رہتا تھا۔ قلوب سکون اور جمعیت و یکسوئی لیے ہوتے تھے اس لیے مادۂ باہ اپنے مرکز پر جاگزیں تھا، وقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت استعمال میں آتا تھا۔ خرچ کی نسبت جمع زیادہ تھی اس لیے طبیعت قوت لیے ہوئے تھی۔ طبیعت مدبرہ کو بدن کی تربیت و نگرانی اور نشوونما دینے کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ آتے تھے اور ظاہر ہے کہ اندر سے طبیعتِ مدبرہ کا قوی ہونا اور باہر سے بدن کا مضبوط ہونا قدرتی طور پر صحت کا ضامن اور امراض کے لیے مانع تھا اور بجز موسمی حملوں سے خود طبیعت کے ضعف سے امراض کا ہجوم نہ تھا۔ اسی لیے قویٰ مضبوط قد و قامت دراز اور عمریں طویل تھیں۔ لیکن آج بالکل اُس کے برعکس قصّہ ہے۔ پس کیا اس سے یہ نقطۂ نظر پیدا نہیں ہوتا کہ یہ آج کی بے حجابی اور آزادی ہی سارے امراض کی جڑ ہے۔ اور اُدھر حجابات (جو ظاہر میں پردہ کی شکل رکھتے ہیں) اور باطن میں عفت و عصمت اور تقوے و طہارت کی ہیئت لیے ہوئے ہیں، ساری صحتوں کا منشا رہیں، اس لیے ممکن نہیں ہے کہ صحتِ عامہ اور قوتِ قویٰ بغیر حقیقی حجاب قائم کیے ہوئے ٹوٹ سکے۔

بے حجاب اقوام کی صحتیں بھی درُست نہیں

رہا آزاد اور بے حجاب قوموں کی صحت کا اچھا نظر آنا، باوجودیکہ وہ بے حجابی اور بے حیائی، بلکہ برہنگی کی بھی ساری منزلیں طے کر چکی ہیں سو یہ اس پر مبنی نہیں کہ ان کی صحتِ عامہ درست ہے بلکہ کچھ اسی پر کہ ہماری آنکھوں کے سامنے

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگ
اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عا
آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت
سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کر آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھ
پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے
دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ
سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو
لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رُو سے سراسر غلط اور ایک
ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ
کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور اُن کی کھلی اور چھپی بیماریوں
کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ اقوام نہ صرف
بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دُنیا کی بنی ہوئی صحتوں
میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مہلک جراثیم کی نحوست
اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدّن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد
کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوتِ
مردی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ
انقلاب لاہور جلد ۳ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہوا لکھتا ہے:-

" مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو جن کی حسین

طبقہ ہی وہ پیش کیا جاتا ہے جو صحت مند ہو، کچھ اس پر کہ اس کی ہر شوخی و شنگی اور نسوانی چلبلاہٹ جس سے صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے سب کی سب عام آنکھوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور بہت کچھ اس پر کہ ان کے ہر حرکت و سکون کو حکمرانی کی آمیزش نے نظر فریب بنا کر آنکھوں کو اسے اچھا ہی دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

پس ہم اس طبقۂ نسواں کی صحت، چلبلاہٹ اور تندرستانہ حرکات دیکھتے دیکھتے ان کی بقیہ اکثریت کو بھی اس پر قیاس کر لیتے ہیں اور ایک نمائشی طبقہ سے پوری قوم کے حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں خواہ وہ روگی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ قیاس اور اندازہ واقعات کی رو سے سراسر غلط اور ایک ناقابلِ تسلیم نتیجہ ہے۔ اگر ان بے حجاب اقوام کی اس نمائشی زندگی کو چھوڑ کر ان کی اندرونی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے اور ان کی کھلی اور چھپی بیماریوں کے اعداد و شمار سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ اقوام نہ صرف بذاتِ خود ہی طرح طرح کے امراض کا شکار ہیں، بلکہ دنیا کی بنی ہوئی صحتوں میں بھی جہاں کوئی رخنہ پڑا ہے وہ ان ہی کے مرضیلے جراثیم کی نحوست اور ان ہی کے عیاشانہ اور مرفہانہ تمدن کا فساد ہے۔ یورپ میں زن و مرد کے اس اختلاط اور بے حجابی کے اس ہیجان خیز آزادی نے اوّل تو قوتِ مردمی گھٹا کر ان میں نامردی اور ضعفِ باہ ہی کا مرض عام کر دیا ہے۔ چنانچہ انقلاب لاہور جلد ۲ نمبر ۲۳ پر نقل کرتا ہوا لکھتا ہے :-

" مردمیت کی ڈینگ مارنے والوں کا حال ملاحظہ ہو جن کی حسین

مرد کو اختلاط اور بے پردگی کی آزادی دے چکے ہیں، اور زن و مرد کے ہر ایک ناجائز اختلاط کو تمدن کا سنہری تمغہ سمجھ رہے ہیں۔

پائنیر ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء لکھتا ہے :۔

"تازہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ آج سے بیس سال قبل برطانیہ عظمیٰ میں پچاس لاکھ انسان عینک لگاتے ہیں، اس سال ان کی تعداد اسی اور نوّے لاکھ تک پہنچ گئی ہے گویا آبادی کے ہر پانچ آدمیوں میں ایک عینک کا محتاج ہے۔ ضعیف البصروں کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے"

(اخبار سچ ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

بعد کی دوسری رپورٹ یہ ہے :۔

"بالغ آدمیوں میں ہر دس آدمیوں میں چار ضرور عینک لگاتے ہیں اور دو اور کو بھی لگانے کی ضرورت رہتی ہے اور ۴۰ برس کے بعد تو تقریباً ہر شخص عینک لگاتا ہے اور اس پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ برطانوی آبادی کی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جا رہی ہے لیکن دنیائے متمدن برطانیہ ہی میں اس باب میں سب سے مقدم نہیں ہے۔ جرمنی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور امریکہ میں ان ضعیف البصروں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہی ہے"

(اخبار سچ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس دماغی صحت کے فقدان کے سلسلہ میں ضعف بصارت اور امراض

[illegible]

اس تقریر کا حوالہ دے کر ایک اطالوی مضمون نگار لکھتا ہے کہ :۔

" خود اطالیہ کا کیا حال ہے ؟ ۱۹۲۹ء میں جتنی ولادتیں ہوئیں وہ ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں بقدر ۲۹ ہزار کم ہیں ، اگر اسی شرح سے آبادی گھٹتی رہی تو جو حال اس وقت فرانس کا ہے وہی بلکہ اس سے بدتر اٹلی کا ہو کر رہیگا "

آگے چل کر پھر یہی باخبر مضمون نگار لکھتا ہے کہ :۔

" اکیلے اٹلی پر موقوف نہیں فرانس اور جرمنی بلکہ یورپ کے سارے ہی مغربی علاقوں کا یہ حال ہے کہ دیہات اُجڑتے جاتے ہیں اور دیہات کی ساری آبادی کھنچ کھنچ کر بڑے بڑے شہروں میں چلی آ رہی ہے اور یہی شہری آبادی اس نسلی اور قومی خودکشی میں پیش پیش ہے "

(اخبار سچ ۱۴ ؍ فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیمات اسلام)

پھر اس عیاشی اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ امراض نے جہاں پیدائشوں کی تعداد گھٹا دی ہے ، وہیں اموات کی تعداد بھی بڑھا دی ہے ۔ چنانچہ ڈیلی ایکسپریس لندن ۲۸ ؍ اگست ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :۔

" ۱۹۲۷ء میں برطانیہ کی شرح پیدائش فی ہزار ۷ء۱۶ یعنی ہر سال سے کم رہی اور شرح اموات فی ہزار ۳ء۱۲ یعنی ہر سال سے زیادہ رہی ۔ انتہی

یورپ کی بے حجابی اور آزادی نے آخر ان بے حجاب مرد و عورت کو کہاں پہنچایا ہے ؟ کیا اسی قوت و توانائی کی طرف جس کے راگ پردہ شکنوں کی طرف سے الاپے جاتے ہیں ، استغفر اللہ یہ بے حجابی اور گھروں سے آزاد باشی عورت کی صحت

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعف بصارت جدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بویا گیا تو اس عیاشانہ تمدن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :-

"مرض ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۷، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۷۶۶۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، ۷ر فروری ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :-

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

کو تو کیا درست کرتی، مردوں کی صحت کو بھی لے بیٹھی، نامردی کا الگ زور ہے۔ فتور عقل و دماغ کی الگ لام بندی ہے۔ ضعفِ بصارت جُدا ہیجان میں ہے موت کا بازار جُدا گرم ہے، مگر آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس نفسانی تعیش پر اوندھے پڑنے والے ابھی تک اِسی کا ڈھول پیٹ رہے ہیں کہ عورت کو پردہ نے بیماریوں کا شکار کر رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ادھر برطانوی ہند میں جب اس تمدّن نے اپنا منحوس سایہ ڈالا اور خیالات میں آزادی کا تخم بو یا گیا تو اِس عیاشانہ تمدّن کی برکات سے ہندوستان بھی بے بہرہ نہ رہا۔ یہاں سے بھی وہ اگلی صحت و تندرستی بتدریج رخصت ہونے لگی اور زندگی سے دور ہو کر اموات کی تعداد ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۴ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ہندوستان میں :۔

"مرضِ ہیضہ سے مرنے والے ۲۹۳۷۰۰، چیچک سے مرنے والے ۵۵۳۸۰، طاعون سے ۳۶۱۸۴۳، بخار سے ۴۰۰۶۶۲۳ اور دوسری بیماریوں سے ۲۱۶۰۶۴۹ وغیرہ وغیرہ"

(اخبار سچ، رفرودی ۱۹۳۰ء بحوالہ تعلیماتِ اسلام)

رفیق بارہ بنکی ۶ر نومبر ۱۹۳۰ء لکھتا ہے کہ :۔

"اب ہندوستان کی آبادی کا اوسط عمر مردوں کا بائیس ۲۲ سال اور عورتوں کا ۲۳ سال رہ گیا ہے"

بہرحال یورپ نے دورِ بے حجابی میں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے کوئی ترقی کی ہے تو یہ کہ قوتِ مردمی کھودی، دل و دماغ کو برباد کر دیا، بینائیاں گھٹا دیں،

جنون اور فتورِ عقل پیدا کر لیا اور ہندوستان نے جہاں تک اس کے نقشِ قدم کا اتباع کیا وہیں تک وہ بھی اپنی پچھلی قوتوں کا سرمایہ کھو بیٹھا۔ آج ہسپتالوں کی رونق، دواؤں کی بہتات، طبیات کا شیوع، ڈاکٹروں کی کثرت اور دواخانوں کا زور، بیماریوں کے بڑھ جانے اور دنیا کے مریض و ناتواں ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔ جس کی وجہ سامانِ تعیش کا بڑھ جانا اور سامانِ ریاضت و جفاکشی کا گھٹ جانا ہے اور جس میں بہت حد تک بھی ظاہری و باطنی بے حجابیاں مؤثر ہیں۔

پس یہ دعوے کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں کہ یورپ کی آزاد و بے حجاب پارٹیوں کی صحتیں اعلیٰ پیمانے پر ہیں اور ان کی تقلید سے ہندوستانیوں کی صحت ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ قصہ برعکس ہے کہ جس حد تک ہندوستان اور عام ایشیائی ممالک یورپ کے تمدنی اثرات سے بچے ہوئے ہیں اسی حد تک ان کی ظاہری و باطنی قوتیں قائم ہیں اور آج بھی قدیم وضع ایشیائی نسبتاً یورپ سے زیادہ صحت مند اور قوت کے مالک ہیں۔ یورپ و ایشیا کی فوجیں اب بھی جب دوش بدوش کھڑی ہو جاتی ہیں تو عموماً پالا ایشیا کے ہاتھ رہتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے مدعی پہلوان ہندوستانی پہلوانوں سے جب کبھی برسرِ پیکار ہوئے تو عموماً مات ہی کھا کر گئے۔ حالانکہ یہ انہی ایشیائی عورتوں کے سپوت ہیں، جو بقولِ فرنگیت مآب طبقوں کے بیماریوں کی سواریاں بنی ہوئی ہیں، اس گئے گزرے دور میں بھی ایشیا کی نیم مریض عورتیں خانہ داری کے متعلق جتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں یورپ کی ہٹی کٹی عورتیں آج اس مزعومہ قوت و شوکت پر اس کا عشرِ عشیر بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلّموا قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"۔

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی مقتضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مُخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً و نقلاً و تجربتہً و مشاہدۃً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے۔ اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

(۳) حجاب شکنوں کی طرف سے ایک تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ محجوب اور پردہ نشین عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پاسکتیں اور ظاہر ہے کہ اُن کی جہالت صرف انہیں کے لیے مُضر نہیں بلکہ پوری منزلی زندگی کے لیے تباہ کُن ہے۔

سوال یہ ہے کہ پردہ نشینی کا زمانہ تعلیم کا زمانہ ہی کب ہے کہ سوال واقع ہو، پردہ نشینی کی پُوری پابندی بلوغ یا زیادہ سے زیادہ مراہقت کے زمانہ سے کرائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسوانی تعلیم جو ضرورت کی حد تک ہو، اس سے پہلے ہی ختم ہو چکتی ہے اور شریعت کا امر بھی یہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

تعلموا قبل ان تسودوا "بڑے ہونے سے پہلے ہی تعلیم حاصل کر لو"!

دُوسرے یہ کہ جو تعلیم حجاب شکنی کی متقضی ہو وہ مطلوب ہی کب ہے اور عورت کیلئے موزوں اور نفع بخش کس طرح ہو سکتی ہے جسکے لیے پردہ کو مخل تبلایا جائے، اگر حجاب شکنی مُضر صحت، مُضر معاشرت اور مخرب اخلاق ہے (اور ضرور ہے جیسا کہ شرعاً، نقلاً و تجربتہً و مشاہدتہً واضح ہو چکا ہے) تو جو تعلیم حجاب شکنی کی متقاضی ہو، وہ مُضر اور مخرب پہلے تسلیم کیجائیگی اور اس لیے ایک لمحہ کو بھی مطلوب نہ ٹھہر سکیگی تیسرے یہ کہ اس اصول پر جو پردہ شکنوں کی طرف سے پیش کیا گیا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس زمانہ میں پردہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہو، اس زمانہ میں عورتوں کی جہالت بھی پیش پیش رہی ہے اور اسکے برعکس جس زمانہ میں حجاب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہو وہی زمانہ عورتوں کی علمی ترقی کا ہونا چاہیئے حالانکہ واقعات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔

باپردہ عورتوں میں فضل وکمال کی بہتات اور اسکی چند مثالیں

زمانۂ نبوت سے پہلے کا دور جو عورتوں کی انتہائی بے حجابی اور بے حیائی کا دور ہے اس درجہ جہالت و بربریت سے لبریز ہے کہ اسکا نام ہی دورِ جہالت ہے اور جبکہ زمانۂ نبوت میں بتدریج عورت کو پردہ نشین بلکہ خانہ نشین کر دیا گیا تو اسی زمانہ کی عورتوں کا علم آج بطورِ ضرب المثل پکارا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دور کا نام ہی لسانِ شریعت پر خیر القرون پکارا گیا۔ اسی طرح قرون مابعد میں جبکہ حجاب کی ٹھیک وہی پابندی تھی (جبکی تفصیلات ہم نے ابھی قرآن وسنت اور کلام فقہاء سے پیش کی ہیں) عورتیں اس درجہ عالم و فقیہ ہوئیں اور بکثرت ہوئیں کہ ہزارہا علماء جو مرد تھے، انکے علم وعرفان پر غبطہ کرتے تھے۔

صاحب بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہ سمجھی گئی ہیں کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا، اس فقیہہ خاتون کے باپ نے اپنی بیٹی کے فضل و کمال کو دیکھ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص اپنے ممتاز علم اور راسخ تفقہ کا ثبوت دیگا اُس سے لڑکی کی شادی کیجائیگی۔ صاحب بدائع نے اعلان پر کتاب بدائع الصنائع تصنیف کر کے پیش کرائی جو صاحبزادی کے باپ کو پسند آئی اور نکاح کر دیا۔ پھر خاوند و بیوی کے علم وکمال نے یہاں تک قلوب پر سکہ جمایا کہ اس زمانہ میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک اس پر صاحب بدائع ان کی علامہ بیوی اور خُسر کے دستخط نہ ہو جاتے تھے۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث و فقہ کا املا بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔

سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل وکمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی۔ خلیفۂ وقت نے نکاح کا پیام دیا، مگر نامنظور ہوا۔ نکاح ایک غریب عالم و فاضل سے ہوا۔ ان جیسی سینکڑوں عالم و فاضل خواتینِ اسلام کی سوانحعمریاں مستقل کتابوں میں درج کی گئی ہیں، پھر صحابیات میں کتنی ہی وہ خواتین ہیں جنکے فضل وکمال کو لسانِ نبوۃ پر سراہا گیا ہے۔ ایک حضرت عائشہؓ کو ہی حضورؐ نے نبوت کے آدھے علم کا حامل اور امین بتلایا ہے۔ کیا ان علم پرور خواتین اور ان جیسی دوسری ہزارہا قابلِ ذکر خواتین نے اپنا پردہ فروخت کر کے علم کی متاع خرید کی تھی؟ نہیں بلکہ امام طحاوی کی تو وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب وانفعال ہوا ہے۔ صاحبزادی سے مسائل فقیہ کا املاء کرا رہے تھے اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جسمیں بعض مسائل جماع ومباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املاء میں آیا کہ "اذا جنا معھن یکون عذا" (جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ) صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور پر کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا۔ اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی بیحد منفعل ہوئے اور اسی انفعال سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ حیادار سے حیا کی جاتی ہے اس سے جہاں امام موصوف کی محجوبیت اور پردہ دلری نمایاں ہوتی ہے وہیں صاحبزادی کی حیا وعفت اور پردہ داری کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ حجاب کی کس حد پر پہنچی ہوئی تھیں، جس نے باپ پر انفعال کا یہ غیر معمولی اثر ڈالا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سے اوپر کے طبقات میں ازواج مطہراتؓ عام صحابیاتؓ اور پھر قرونِ اسلاف کی عام خواتینِ اتقیاءؒ پر نظر ڈالو اور غور کرو کہ آیا ان کے علوم کی گہرائیاں

زیادہ تھیں جبکہ پردہ حجاب اپنی اعلیٰ حدود پہ پہنچا ہوا تھا یا آج کی مسلم خواتین علوم و کمالات میں بڑھی ہوئی ہیں جبکہ ہر ہنج کی بے حجابی اور آزادی دل و دماغ میں سرایت کرچکی ہے۔ اگر تعلیم میں حجاب حائل تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ میں بیٹھ کر اور بلا کسی اسکول یا مدرسہ میں گئے ہوئے اتنی زبردست عالمہ کیسے ہو گئیں کہ بڑے بڑے علمائے اور صحابہؓ پس پردہ اُن سے مسائل حل کرتے تھے اور علوم نبوت کا نصف حصہ اُن کے حصہ میں آگیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عارف منصب نبوت تھیں جنہوں نے اوّل وحی پر حضورؐ کے گھبرا جانے پر آپ کو ڈھارس اور تسلی دی اور علاج بتایا کہ یہ معرفت کی بات ہے تو کسی عارف ہی سے اُس کا علاج کرایا جائے تو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ پھر دوسری صحابیاتؓ جن میں ایک سے ایک اعلیٰ علم رکھتی تھیں اور بعد کے قرون میں جیسے حضرت رابعہ بصریہؒ ، رابعہ عدویہؒ وغیرہ کہ علماء عرفاء میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی تھیں اور مشاہیر عارفات میں سے تھیں، آخر وہی پاکباز عورتیں تھیں جو پردوں میں عفت کے ساتھ خانہ نشین تھیں۔

حافظ ابنِ عساکر جیسے مشہور محدث نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں شمار کرائی ہیں۔ حفید ابنِ زہر کی بہن اور بھانجی علم طب اور فنِ حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں، یزید بن ہارون کی لونڈی اُن کی آخر عمر میں جبکہ وہ ضعیف البصر ہو چکے تھے خود کتبِ حدیث کو یاد کرتی انتخاب کرتی اور اپنے آقا کو حدیثوں پر مطلع کرتی۔

ابنِ سماک کوفی مشہور عالم کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی اور انہوں نے فنِ خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا۔ حضرت معاذہ عدویہ صدیقہ عائشہؓ کی شاگرد ہیں، مشہور مرتاض و نفس کش خاتون گزری ہیں۔

حضرت فاطمہ نیشاپوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے فیض اٹھایا۔

حضرت رابعہ شامیہ علوم معرفتہ میں مشاہدہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھیں۔ جنات اور حوریں انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔

حضرت امتہ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں، مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ اُن سے حل کیا کرتے تھے۔

عفیرہ عابدہ کے پاس اُن کے علوم و کمالات اور قرب الٰہی کے سبب عُبّاد زمانہ دُعا کرانے کے لیے حاضر ہُوا کرتے تھے۔

حضرت شعوانہ جیسی جلیل القدر عالم باطن تھیں کہ فضیل ابنِ عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور دُعا کے خواہشمند ہوتے۔

آمنہ رملیہ مشہور عارفہ ہیں، بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل امامِ علوم ان سے نیازمندانہ پیش آکر دُعا کے خواستگار ہوتے۔

حضرت سیدہ نفیسہ کی جلالت قدر کے سبب امام شافعی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ حضرت ستِ الملوک اپنے زمانہ کی مقبولِ بارگاہِ حق تھیں، بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کی عظمت کرتے اور استفادہ کے خواہشمند رہتے۔

یہ بطورِ نمونہ ان چند مشاہیر عورتوں کے اسماء گنا دیئے گئے ہیں۔ ان جیسی ہزار ہا فاضلہ عالمہ عورتیں اُمت کے ہر قرن میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے فضل و کمال میں مردوں کی نوع کو مات دیدی جن کیلئے کتاب صفتہ الصفوۃ میں مستقل باب لکھا گیا ہے جسمیں ان فاضلات و عالات کی سوانح عمریاں درج کیگئی ہیں۔ پھر فنونِ دین ہی نہیں

فنونِ عصر و شاعری ادبیات و بلاغت و معانی میں بھی عورتیں بڑی بڑی فاضلہ گزری ہیں، مسماۃ نہانی جو والدہ شاہ سلیمان کی مصاحب خاص اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی اس درجہ کی ادیب اور شاعرہ تھی کہ اس نے اپنے نکاح کی شرط ہی یہ قرار دی تھی کہ جو اسکے ذیل کے ادیبانہ قطعہ کا جواب لکھ کر لائے گا وہ اُس سے شادی کرلیگی۔ قطعہ یہ تھا:-

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم	مَیں خالی ہاتھ مرد سے زر چاہتی ہوں
در خانۂ عنکبوت پَر می طلبم	اور مکڑی کے جال میں پَر چاہتی ہوں
من از دہنِ مارِ شکر می طلبم	مَیں سانپ کے مُنہ سے شکر چاہتی ہوں
وز پشۂ مادہ شیرِ نر می طلبم	اور مچھر کی مادہ شیرِ نر چاہتی ہوں۔

مردوں سے کوئی شاعر اور فاضل اس کا جواب نہ دے سکا ایک سعد اللہ خاں وزیر آگے آیا جس نے اس قطعہ کا برجستہ جواب دیا۔

علمے است برہنہ زر کہ تحصیل زر است	علم خالی ہاتھ ہے جس سے زر حاصل ہوتا ہے۔
تن خانۂ عنکبوت دل بال و پَر است	تن خاکی مکڑی کا ایک جال ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں دل اسکے لیے پَر اور بازو ہے جس سے پرواز کرکے عرش تک جا پہنچتا ہے۔
زہر است جفائے علم و معنی شکر است	راہِ علم کی محنت سانپ کا زہر ہے اور اسکی معنویت جو اسکے اندر مخفی ہے شکر ہے جس سے روح تک شیریں ہوجاتی ہے۔
ہر پشہ از و چشید آں شیر نر است	مچھر (یعنی کمزور سے کمزور انسان بھی) اسے چکھ لے تو وہی شیرِ نر ہے۔

ظاہر ہے کہ مسماۃ نہانی کی یہ قابلیت پردہ دری کی رہین منت نہ تھی بلکہ پردہ پوش اور وہی شاہی حرم سرا کے پردوں میں رہ کر تھی جسکا پلہ بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا

ریاض الفردوس میں ایک درجن ایسی فاضلہ عورتوں کے تذکرے ملتے ہیں جو فضلاءِ وقت تھیں اور مردان سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ سب کچھ اسی دور کی تاریخ ہے جو آج کی بے حیائی اور بے پردگی سے بہت دور تھا اور ان تمام علوم و فنون میں صنفِ نازک نے اپنے پردہ کو محفوظ رکھ کر ہی ترقی کی تھی۔ ایسی مثالیں بعد کے قرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جن میں پردہ کے تحفظ کے ساتھ علوم و فنون کی گرم بازاری رہی۔ اور ان کے یہ سارے علمی و عملی کمالات معاذاللہ پردہ دری کے نتائج نہ تھے، بلکہ پردہ داری اور پاکدامنی کے ثمرات تھے، ہوا و ہوس کے نہیں بلکہ ہُدیٰ و تقویٰ کے۔ پس ان جیسی صدہا اور بے شمار فاضل و پاکباز عورتیں آخر پردہ میں رہ کر کس طرح زیورِ علم سے آراستہ ہو گئیں۔ یا اگر بفحوائے کریمہ واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ خانگی تعلیم مسلمان بچیوں کے لیے ناکافی ہوتی تو اس قدر کافی علم و معرفت اور تفقہ ان جیسی ہستیوں کو کیسے میسر آگیا۔

پس یہ دعوے محض ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہو گا کہ عورتوں کی موجودہ جہالت پردہ کی زخم خوردہ ہے نہیں بلکہ مردوں کی جہالت و خود غرضی ان کی جہالت کا مبنیٰ ہے درحالیکہ ہندوستان کے یہ جاہل مرد کسی پردہ حجاب کے پابند نہیں کیے گئے اگر حجاب باعثِ جہالت ہے تو مردوں میں جہالت کیوں بڑھ رہی ہے اور اگر بے حجابی باعثِ علم ہے تو آج کی عورتیں جہالت میں سرنام کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

تعلیم میں پردہ معین ہے اور بے پردگی مخل ہے

ہم تو ان واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاید عورتوں کے علوم کی فراوانی کا

باعث یہ حجاب و پردہ ہی تھا، بے حجابی ان کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی جب سے پردہ اٹھ کر دلوں پر پڑ گیا ہے اور آنکھوں کی یکسوئی اور حیار باقی نہ رہی جب ہی سے علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کس قدر سچا اور واقعات پر منطبق ہے کہ: "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچالے اور نگاہ کو روک لے تو حق تعالےٰ اسکے قلب میں وہ علم و معرفتہ پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اُسے حاصل نہ ہو گا (اوکما قال) اس سے واضح ہے کہ علم کا راز عفت و پاک نگاہی میں مضمر ہے اور جہل و سفاہت بد نگاہی اور بے حیائی میں ہے جو بے پردگی اور بے حجابی کا ثمرہ ہے۔

چنانچہ یہ مبارک دور اگر خاتمۂ حیا کا دور ہے تو یہی علمی ذہنیت کی فنار کا دور بھی ہے اور اگر علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے اور آجکی پردہ شکنی نے براہِ راست انہی اخلاقِ عفتہ پر ایک ضرب کاری لگائی تو اس کا نتیجہ بھی علم و عرفان سے محرومی کی صورت میں نمایاں ہے قرونِ سابقہ میں یہ اخلاق ترقی پر تھے اور اسلیئے تھے کہ انکی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ یہ پردہ حجاب تھا جو اپنی حد و دپر قائم تھا تو علم و معرفتہ کی بھی گرم بازاری تھی جو حیار، عفت اور خلق حسن کا ثمرہ تھا۔ علم کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے نشو و نما پانے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے۔ انہوں نے امام وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علم دل میں نہیں ٹھہرتا تو موصوف نے اس کا سبب معاصی کو قرار دیتے ہوئے جو بتایا ہے اُسے امام شافعیؒ نے اس قطعہ میں قلمبند کیا ہے:۔

شکوت الیٰ وکیع سوءَ حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترك المعاصی

فان العلم نور من الہ ۔۔۔ ونور اللہ لا یعطیٰ لعاص

پس منکرینِ حجاب کا یہ دعوے خلافِ حقیقت ہی نہیں خلافِ فطرۃ بھی ہے کہ حجاب نے عورتوں کا علم مٹا دیا بلکہ صحیح دعوے یہ ہے جو واقعات کی زبان سے کیا جا رہا ہے کہ بے حجابی نے عورتوں کا علم وعرفان گم کر دیا، جس سے وہ فحش و بے غیرتی کی ظلمات میں پھنس کر خود بھی جہل کی فضا میں گم ہو گئیں اور اپنی نسلوں کو بھی گم کر دیا۔

ہاں اگر علم سے مراد ہی وہ علم ہو جو پردہ کا دشمن اور پردہ اٹھائے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکتا ہو اور جس کے لیے کالج اور سکول کی بے پردہ چار دیواری ہی ضروری ہو جہاں ابتداً پردہ کی نمائش اور انجام کار پردہ ہی پردہ میں پردہ داروں کی پردہ دری عمل میں آجاتی ہے تو پھر یہ بحثِ حجاب کی بحث سے بالکل جُداگانہ بحث ہو گی۔ بلکہ یہ ایک مُستقل دعویٰ ہو گا جو اس عنوان کے نیچے آئیگا کہ "تعلیم نسواں وہ ہونی چاہیئے جو حجاب شکن ہو" نہ کہ اس عنوان کے تحت کہ "پردہ تعلیم نسواں میں حارج نہیں"۔ یہ درحقیقت تعلیم نسواں کی نوعیت متعین کرنے کا مسئلہ ہو گا نہ کہ براہِ راست پردہ کا۔ حالانکہ ہم صرف اس سوال پر کلام کر رہے ہیں کہ پردہ کے ساتھ تعلیم نسواں اور تحصیلِ کمال ممکن ہے یا نہیں؟ نہ اس پر کہ تعلیم پردہ شکنی کی ہونی چاہیئے۔

پس ایک تعلیم میں حجاب کا مخل ہونا ہے اور ایک تعلیم ہی بے حجابی کی دیا جاتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں تعلیم مقصود ہے اور دوسری میں بے حجابی اور ظاہر ہے کہ ہم بے حجابی کو مانع کی حیثیت دے کر گفتگو کر رہے ہیں نہ کہ مقصد کی حیثیت میں رکھ کر۔ پس ہمیں اس نمبر میں جس کے تحت یہ بحث چل رہی ہے، ان سے کلام نہیں جو بے حجابی اور حجاب شکنی کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوتے ہیں کہ اسکی مفصل بحث مسئلہ کے تحقیقی پہلو میں کی

جا چکی ہے) بلکہ صرف اُن سے ہے جو پردہ کو تعلیم میں مخل اور مانع دکھلا کر پردہ شکنی کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے الحمد للہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ نفس تعلیم ہی نہیں، اس کی اعلیٰ ترقی میں کسی طرح مانع اور مخل نہیں۔

رہی تعلیم خاص خواہ وہ پردہ داری کی ہو یا پردہ دری کی سو وہ مسئلہ تعلیم نسواں کے موضوع اور اس کے انتخاب سے متعلق ہے، مسئلہ حجاب سے نہیں۔ اس لیے اس نمبر میں ہماری بحث سے خارج ہے گو اس کی اجمالی بحث اس عنوان کے ذیل میں ضمناً آ چکی ہے۔

ستر و حجاب کا فرق

(۴) بعض لوگ بے پردگی کے جواز کے لیے بطورِ حجت وہ روایات پیش کر دیتے ہیں جن میں عورت کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بزعم خود مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے شریعت کی رُو سے بے پردگی کے جواز کی حجت نکال لی۔ حالانکہ یہ ایک دھوکہ ہے جو اُن کی غلط معلومات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جن نصُوص میں ہاتھ پیر اور چہرہ کھُلا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہ ستر کے متعلق ہیں حجاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور جن روایات و آیات میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے ڈھانپنے کا امر کیا گیا ہے، ان کا ستر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال ستر اور حجاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ستر عورت کے ساتھ مخصوص نہیں مرد کے لیے بھی ہے لیکن حجاب عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سے اُس کا تعلق نہیں۔

چنانچہ مسئلہ ستر کے سلسلہ میں عورت کا ستر گردن سے ٹخنہ اور گٹہ تک ہے۔ جس کا ڈھانپے رکھنا بہرحال ضروری ہے گردن سے اوپر یعنی چہرے اور ٹخنہ اور گٹے سے نیچے یعنی ہاتھ پاؤں اس سے مستثنےٰ ہیں جن کا ڈھانپنا بحدِ ستر ضروری نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ڈھانپنے کا کوئی دُوسرا محرک پیدا نہ ہو۔

اسی طرح مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جس کا چھپائے رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ ناف سے اُوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصّہ ستر سے خارج ہے جس کا چھپانا بحدِ ستر ضروری نہیں۔

پس ستر کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا ایک حکم ہے۔ فرق اگر ہے تو حدِّ ستر میں ہے لیکن حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں، کیونکہ ان دونوں میں نوعیت کا وہی فرق ہے جو مرد اور عورت میں ہے۔ ستر فی نفسہٖ ضروری ہے کیونکہ اعضاءِ خاصہ کا چھپایا جانا اپنی ذات سے لازمی اور اخلاقِ انسانیت کا فطری تقاضا ہے جو کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر موقوف نہیں، ایک نامحرم ہی نہیں، محرم جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی سے بھی ان اعضاء کا پردہ مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ نامحرم اور محرم کوئی بھی وہاں موجود نہ ہو مرد تنہا ہو یا عورت تنہا ہو تب بھی بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ ہے۔ گویا ان اعضاء کا حتی الامکان خود اپنے سے چھپایا جانا بھی مطلوب ہے اور کھولا جانا شامل بے حیائی و بے غیرتی ہے جو فحش کے جبلی افراد ہیں حتیٰ کہ اگر نماز میں ستر کا حصّہ چوتھائی بھی کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے خواہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

بخلاف حجاب کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری نہیں کوئی دیکھنے والا موجود ہو اور وہ بھی نامحرم ہو۔ تب تو عورت چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے گی ورنہ محرم کے سامنے یا تنہائی میں یا نماز میں ان کے کھلے رہنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں نہ وہ داخل فحش و بے حیائی ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے، اور نہ ہی بداخلاقی کا کوئی فرد ہے۔

بہرحال ستر و حجاب کے اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ستر حقیقی پردہ ہے اور حجاب اضافی پردہ ہے۔

کھلے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ اعضاء شہوت کے لیے شریعت نے ستر رکھا ہے جن کا چھپائے رکھنا فی نفسہٖ ضروری قرار دیا ہے۔ وقتی طور پر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے ان کے کھولنے کی اجازت دی ہے اور اعضاء حسن کے لیے جیسے چہرہ مُہرہ ہاتھ پاؤں وغیرہ شریعت نے حجاب رکھا ہے جو فی نفسہٖ ضروری نہیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، جیسے اجنبی اور نامحرم سے ہے تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔ پس اعضاء ستر جیسے اعضاء نہانی میں چھپانا اصل ہے اور کھولنا بضرورت ہے اور اعضاء حجاب جیسے چہرہ اور ہاتھ پاؤں میں کھلا رہنا اصل ہے اور چھپانا بضرورت ہے۔ اس طرح دونوں مسئلوں کے حکم میں تضاد کی نسبت نکلتی ہے۔

ان دو متضاد مسئلوں کو خلط ملط کر کے لوگوں نے ایک بنا دیا اور مسئلہ ستر کا حکم جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں ہیں مسئلہ حجاب پر لا ڈالا جہاں پردہ ہی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا ہے۔ پس چہرہ کو اعضائے شہوت سے خارج کر کے اُن کے حکم سے بھی اُسے شریعت نے الگ کر دیا ہے اور اعضاء شہوت کو اعضاء حسن سے جدا کر کے اعضاء شہوت کے حکم سے بھی انہیں جدا کر دیا ہے۔

اندریں صورت مسئلہ حجاب میں روایاتِ ستر کا پیش کیا جانا جنمیں چہرہ کو ستری پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، خلط مبحث ہے۔ ستر اپنی جگہ ہے حجاب اپنی جگہ، ستر فی نفسہٖ ضروری ہے، کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ حجاب فی نفسہٖ ضروری نہیں، جب تک کہ کوئی دیکھنے والا نامحرم موجود نہ ہو۔ ستر کا حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ صرف حدِ ستر الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے مرد کے لیے نہیں ہے گو کھلا رو چہرہ رکھنے میں دونوں یکساں ہیں۔ اتنے فروق کے ساتھ ہوتے ہوئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا اور تلبیس کے ساتھ ستر کا حکم حجاب میں ٹھونس دینا نہ نقل کے مطابق ہے نہ عقل کے۔ اس لیے پردہ کے خلاف یہ جو تھا شبہ جو شرعی انداز میں پیش کیا گیا تھا پادر ہوا جاتا ہے۔

(ہ) بعض لوگ شرعی رنگ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور چہرہ میں کپڑا لگانا ممنوع اور جرائم احرام میں سے ہے لہٰذا اس سے چہرہ کی بے پردگی کا جواز نکل آیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر اسے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایامِ احرام میں چہرہ کی بے پردگی کا ثبوت ہوا نہ کہ علی الاطلاق چہرہ پردہ سے مستثنیٰ بنا جو شبہ پیش کرنے والوں کا منشا ہے اس لیے ایام احرام کے علاوہ عمر بھر میں وہی پردہ قائم رہا۔

دوسرے یہ کہ بحالتِ احرام اگر چہرہ کو کپڑا لگانا ممنوع ہے تو اس سے چہرہ کا پس پردہ رکھنا کیسے ممنوع ثابت ہوا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک عورت پردہ کرتے وقت کپڑا چہرہ کو نہ لگائے بلکہ آڑ پردہ کو چہرہ سے جُدا رکھ کر نگاہوں سے چہرہ کو اوجھل رکھے۔ چنانچہ پردہ دار عورتیں اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کے لیے پنکھا یا چھجّہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لیتی ہیں جس سے چہرہ بھی چھپ جاتا ہے اور کوئی کوئی چیز کپڑا وغیرہ چہرہ کو چھوتی بھی نہیں گویا احرام بھی قائم رہتا ہے اور حجاب بھی باقی رہتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافاۃ نہیں جو جمع نہ ہو سکیں اور بحالتِ احرام پردہ کو ختم شدہ سمجھ لیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں عورت کو بحالتِ احرام کچھ وقت اور مشقت مزید پیش آئے گی۔ مگر جبکہ حج کی پوری عبادت ہی مختلف قسم کی مشقتوں اور خلافِ طبع دشواریوں کا مجموعہ اور کتنے ہی مجاہدات پر مشتمل ایک عظیم مجاہدہ ہے تو اس میں محض اس احرامی پردہ کو تاک کر صرف اسی کو مشقت و تعب کا ہدف بنا لینا کہاں کا انصاف ہے ہاں! حج میں تو گھر باہر، زینت، آرائش، آسائش، زیبائش، رسمی وقار، بناوٹی خودداری سب ہی ترک کرنا پڑتا ہے۔ گویا حج نام ہی ترک کا ہے۔ جس میں ہر راحت وہ چیز ترک کرائی جاتی ہے تو اس میں اگر احرام کے ساتھ بے پردگی کی راحت بھی ترک کر دی گئی ہو تو اس میں محض اس ایک مشقت کو سامنے رکھ لینا اور اس سے زیادہ مشقتوں کو نظر انداز کر لینا کہاں کا عدل ہے:-

"اس لیے جوازِ بے پردگی کی یہ حجت بھی محض احتمال آفرینی رہ جاتی ہے۔ کسی دلیل سے پیدا شدہ احتمال نہیں بنتی جو قابلِ التفات ہو"

(۶) بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بعض بعض روایات کی رُو سے ادناء جلباب کے بعد جبکہ منافقین نے منہ ڈھکی مسلمان عورتوں کو توہین کے مد میں چھیڑنا شروع کیا اور جب انہیں تنبیہ کی گئی تو یہ کہہ کر بری الذمہ بن جاتے تھے کہ ہم نے انہیں باندیاں سمجھا تھا۔ حرائر اور آزاد نہیں جانا تھا تو حکم دیا گیا کہ یہ حُرّہ عورتیں اپنی ایک آنکھ کھول دیا کریں تا کہ انہیں حُرّہ پہچان کر منافق ایذا رسانی سے پیش نہ آئیں۔

لہٰذا اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا ایک حصّہ کھول دینے کا جواز ثابت ہو گیا، اسی پر پورے چہرہ کو قیاس کر لیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ اس سے تو پردہ کا بدن پر ڈال لیا جانا حُرّہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس سے وہ باندیوں سے ممتاز ہو جائیں اور منافقوں کا یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ انہوں نے باندی سمجھ کر انہیں چھیڑا تھا جس سے صاف واضح ہے کہ باندی چہرہ کھول کر جا سکتی تھی۔ حُرّہ کو اس سے ممتاز کرنے کے لیے ادناء جلباب یعنی پردہ پوشی کا حکم ملا۔

"تو یہ امتیاز پردہ دری سے نہیں بلکہ پردہ پوشی سے حاصل کیا گیا جو پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل ثابت ہوئی۔"

ایک آنکھ کھولنے کی اجازت محض راستہ دیکھنے کے لیے رکھی گئی ہے نہ کہ چہرہ کے کسی حصّہ کو پردہ سے باضابطہ مستثنیٰ کرنے کے لیے جو معترضین کا مفہوم ہے اور وہ بھی صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، جو بقاء پردہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے۔ پس اس صورتحال سے بے پردگی کے جواز سے کیا

تعلق ہے جو شبہ اندازوں کا کام اس سے نکل سکتا ہو۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں جب عورتیں مردوں کو پانی وغیرہ پلانے، مرہم پٹی کرنے اور دوسری ایسی ہی خدمات کرنے میں لگائی جاتی تھیں تو ان کا پردہ بھی وہ نہیں ہوتا تھا جس کو پردہ کے حامی شدومد سے ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ہی عورتوں میں مردوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک دیکھی

ظاہر ہے کہ یہ وہی حصہ بدن ہے، جس کو پردہ کے حامی پس پردہ ہی رکھا جانا ضروری سمجھتے ہیں، درحالیکہ ایسی روایات ان کی کھلی تردید کر رہی ہیں۔

لیکن ان شبہ اندازوں نے یہ نہ سمجھا کہ خود یہ روایات ہی پردہ کی کھلی دلیلیں ہیں کیونکہ اوّل تو یہ واقعات زمانۂ جنگ کے ہیں۔ جن کو زمانۂ امن کے احوال پر اور دوامی حالت کو ہنگامی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے جنگ کا سماں ایسا ہولناک ہوتا ہے کہ عادتہً وہاں شہوانی جذبات کے اُبھار کے کوئی معنی ہی نہیں۔

پھر جن سے شہوت رانی کا اندیشہ کیا جاتا وہ خود زخمی اور ٹوٹے ہوئے اعضاء کے کرب و بے چینی میں مبتلا۔ کیا ان اوقات میں ان کے دلوں میں کوئی ادنیٰ شہوانی خیال گھوم سکتا ہے؟ اور ان بے چین اور زخمی مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے قلوب میں بھی کیا کوئی شہوانی جذبہ اُبھر سکتا ہے؟ اور جب نہیں اُبھر سکتا، یعنی فحش کا کوئی مظنّہ قائم نہیں ہو سکتا تو پردہ کا ہلکا پڑ جانا بھی قدرتی تھا جب وہ عِلّت ہی موجود نہیں جس پر پردہ کا حکم دائر تھا تو حکم میں تخفیف پیدا ہو جانا بھی

ایک معقول امر ہے۔ اس جزئی پر امن کے ان حالات کو قیاس کرنا جن میں شہوانی جذبات اپنی جگہ موجود ہوتے ہیں اور پردہ شکنی کی اجازت دے دیا جانا قیاس مع الفارق نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

" بہرحال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں بھی مضبوط اور مستحکم ہے "

ان دونوں جہتوں پر ضرورت کی حد تک کافی کام کیا جا چکا ہے اور مسئلہ اپنے تمام شرعی اور تمدنی پہلوؤں کے ساتھ سامنے آگیا ہے جس کی ضرورت اور شرعی وجوب سے کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن پردہ کے اس سارے تفصیلی پروگرام کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ حکم حجاب باوجود یقینی اور کتاب و سنت سے ثابت شدہ ہونے کے خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ دفع فحش کی ایک مؤثر تدبیر اور ایک مقصود کا وسیلہ ہے۔ جس حد تک فحش کا امکان ختم ہو جائے گا اسی حد تک پردہ غیر ضروری ہو جائے گا اور جس حد تک زیادہ ہونے چلے جائیں گے اسی حد تک وہ مع اپنی تمام مقررہ حدود و قیود بلکہ حسب ضرورت غیر مصرحہ حدود کے اضافہ کے ساتھ مسلط ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتداء تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

پردہ جزوی یا کُلی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہو گا، جہاں اس علت کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیرِ عمل آئے گا۔ جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سسٹم ہی اُٹھ جائے گا، جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش) سے ہے۔ چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ سے اس لیے مستثنٰی ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا۔

ماں، بہن، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منطنہ نہیں تو یہاں پردہ سرے ہی سے نہیں۔ شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اس پر باقی نہیں رہتی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر آخر میں باقی نہیں رہتی۔ نوعمر اور نابالغ بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت کا منطنہ اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی ملمائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی

کامل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں اُن سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا۔ خاص حالات جیسے تخلیہ وغیرہ جذبات فحش بھڑکا سکتا ہے تو خلوۃ کی حد تک اُن سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گویا فحش کا مظنّہ جزدی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزدی حیثیت میں ہی نافذ ہوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ اُنہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اُوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد وزن کے فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتی ہے۔ تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی اُن کے حق میں ضروری نہیں ہوتیں۔ ان کا جزدی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھتی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

غرض فحش کا مظنّہ جزدی تھا تو پردہ سسٹم بھی جزدی رہ گیا۔ پھر شہری تمدن کے سلسلہ میں بھی ایک آزاد شہری اور خاندانی عورت کو بھی اگر شرعی اصول کے مطابق منگنی کے سلسلہ میں امتحانی نگاہ سے دیکھا جائے اور باجازت و بموجودگی اولیاء دیکھا جائے تو چونکہ وہ نگاہِ شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ امتحانی ہوتی ہے اور خلوۃ میں نہیں بلکہ جلوۃ میں ہوتی ہے اس لیے فحش کا مظنّہ بھی پیدا نہیں ہونے پاتا تو پردہ بھی اتنے وقفہ کے لیے قائم رہنے نہیں پاتا، بلکہ اس علت فحش کے معیار سے اگر ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا جائے

تو جس صورت میں کہ فحش و منکر کا کوئی منطقہ کسی شدید عارض اور عظیم ابتلاء کے سبب باقی نہ رہے، بلکہ ممکن ہی نہ ہو تو وہاں حجاب تو بجائے خود ہے۔ ستر عورت کی قیود بھی اڑ جاتی ہیں، گو وہ دُنیا میں نہ ہو آخرت ہی میں سہی۔

"چنانچہ میدانِ حشر میں قبروں سے سب اوّلین اور آخرین ننگے اُٹھائے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی فضیحتی اور رسوائی ہو گی ؟"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم کس دھیان میں ہو، وہ دن حق تعالیٰ کے انتہائی جلال اور غضب کا دن ہو گا۔ دل بھی ہیبت سے بانسوں اُچھل رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے سامنے جہنم اور حشر کے ہولناک حوادث ہوں گے۔ کیا وہاں شہوت و فحش اور نگاہِ بد کا کوئی تصور بھی قلب میں آسکے گا ؟ طبیعتیں فکر و ہیبت میں مدہوش ہوں گی۔ شہوانی جذبات کالعدم ہوں گے اور مرد و عورت کے سوال پر دھیان ہی ممکن نہ ہو گا کہ رسوائی یا فضیحتی کا سوال پیدا ہو۔

پس یہاں جبکہ فحش کا امکان ہی نہیں رہا تھا تو حجاب چھوڑ ستر بھی قائم نہ رہا جیسے پیدا شدہ بچوں کی یہی نوعیت ہوتی ہے کہ وہ مذکر و مؤنث ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے کھیلتے رہتے ہیں اور کوئی بھی سوال شہوت و فحش کا پیدا ہونے نہیں پاتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ پردہ فی نفسہٖ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی نہیں۔ ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محترمہ، صغیرہ، عجوزہ ملازمہ، بدویہ، باندی، منگیتر اور معتوہٗ آخرت پردے سے مستثنیٰ نہ رکھی جاتیں۔ وہ اگر مطلوب ہے تو عارضی طور پر علتِ فحش کی وجہ سے ہے۔ فحش کے آجانے سے آجاتا ہے اور رفع ہو جانے سے مرتفع ہو جاتا ہے۔

پردہ کہاں کہاں ضروری ہے

یہ مثالیں پردہ کی تخفیف کی تھیں کہ فحش گھٹتا گیا تو پردہ کی بندشیں اور بھی ڈھیلی پڑتی گئیں۔ لیکن اس کے بالمقابل دیکھئے کہ جس حد تک فحش کے امکانات بڑھتے گئے ہیں، اس حد تک پردہ کی کڑیاں سخت تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ جن جن اعضاء سے فحش کی کسی بھی نوعیت کا ظہور ممکن تھا۔ ان کے افعال تک کو زنا سے تعبیر کر کے ان پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

ایک نگاہ ہی نہیں جسے عام طور پر پردہ کا محل اور پابندِ حجاب سمجھا جاتا ہے کہ فحش سے صرف اسی کی روک تھام کی گئی ہو بلکہ دوسرے اعضاء بھی زنا کی لذت لے سکتے تھے اس لیے انہیں بھی پابندِ حجاب بنایا گیا، یعنی جہاں آنکھ کا زنا نظر کو بتلا کر غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے) کا حکم دیا گیا گویا نگاہ کا پردہ بتلایا گیا، وہیں کان کا زنا، اجنبیہ کی آواز پر کان لگانا، اس کے زیورات کی جھنکار کو لذت اندوزی کے جذبے سے سننا، ناک کا زنا، اس کی

عطریات اور خوشبو پر ناک رکھنا، ہاتھ کا زنا۔ اُسے چھُونا، پیر کا زنا اس کی طرف بڑھنا، زبان کا زنا اس کے شہوانی تذکرے کرنا، نفس کا زنا اُس کے خیال سے لذّت لینا اور تمنّا و اشتہا کرنا اور شرمگاہ کا زنا آخری زنا کو بتلا کر جو اِن سارے زناؤں کی تصدیق و تکذیب ہے ان افعالِ اعضاء پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔

کیونکہ ان سب زناؤں سے بچانے کی تدبیر بجز اس کے اور ہو بھی کیا سکتی تھی کہ ان سب اعضاء کو ان کے زنائی افعال سے باز رکھا جائے۔ آنکھ کو نظر سے، کان کو سماع سے، ناک کو سُونگھنے سے، زبان کو چرچے سے، پیر کو حرکت سے، ہاتھ کو دست درازی سے، مُونہہ کو مُنہ در مُنہ سے، نفس کو تخیل سے اور شرمگاہ کو آخری فعل زنا سے روکا جائے۔

اب اگر اس روک تھام کا نام پردۂ اعضاء ہے اور اس کے بغیر فحش سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی تو اس کے سوا دُوسری تدبیر ہی کیا تھی کہ ان سب اعضاء کو پردہ اور حجاب کا پابند بنا دیا جائے اور ہر محلِ فحش کو فحش آفرینی سے باز رکھا جائے۔ کہیں فتوے سے اور کہیں تقوے سے، کہیں عبارت سے اور کہیں اشارت سے تاکہ عفّت و پاکدامنی کے فطری جوہر پامال نہ ہونے پائیں اور انسانیت کبریٰ اپنے اصلی نورانی لباس میں نمایاں ہو۔

پھر جہاں ایک سمت کے افعال پر پابندیاں عائد کی گئیں، وہاں دوسری سمت کے انفعالات پر بھی پہرے چوکی بٹھلائے گئے اور مرد کی طرح عورت کو چھپانے اور مستور رکھنے کی تدبیر کی گئی، ورنہ اگر عورت کو مستور اور مخفی رکھنے

کے بجائے کھلے بندوں سڑکوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہوتی اور صرف مرد کو آنکھ ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سے مقید اور پابند رہنے کا حکم دیا جاتا تو یہ قعرِ دریا میں تختہ بند کرنے کی مثال ہو جاتی اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ آگ کی چنگاریوں کو تو ہر جگہ اڑنے اور گھسنے کی اجازت دی جاتی اور پھونس کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہرگز ہرگز نہ جلے تو یہ ایک جابرانہ حکم ہوتا جو عاجز کو دیا جاتا اور نافذالعمل نہ بن سکتا۔

اس لیے جہاں دیکھنے سننے والوں کو نگاہ وسماع وغیرہ میں پابند بنا دیا گیا وہیں محلِ نگاہ اور محلِ سماع کو بھی پسِ پردہ رہنے کا امر کیا گیا۔

پس اگر مرد کی نگاہ خیانت پر آمادہ ہے تو عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اگر مرد کی ناک خیانت پر تُلی ہوئی ہو تو عورت کو خوشبو سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر ادھر ہاتھ پیر بڑھنے پر آمادہ ہوں تو عورت کو گرفت سے دُور رہنے اور اختلاط سے بچنے کا امر کیا گیا۔ اگر کان آمادۂ خیانت ہوں تو اُسے آواز تک چھپانے کا امر کیا گیا۔ اگر مجموعۂ بدن کے دیدار کی خیانت بھڑکے تو مجموعۂ بدن پر جلباب (برقعہ) کا امر کیا گیا۔ اگر برقعہ کے باوجود جثہ اور پیکر کے محاسن جمال اور چال ڈھال سے دید کا شوق ابھرے تو عورت کو قرن فی البیت (گھر میں ٹھہری رہنے) کا حکم دیا گیا۔ یعنی لباسِ پردہ کے ساتھ مکانی پردہ بھی بتایا گیا۔ اس پر بھی اگر فحش کا دروازہ بند ہوتا نظر نہ آئے تو گھر کے دروازے تک بند ہو جائیں گے، اگر یہ بندشِ ابواب بھی کارگر نہ ہو تو دروازہ پر پہرہ چوکی بھی بٹھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو

نگرانی بھی قائم کی جائے گی۔

غرض وجوہِ فحش کے امکانات جوں جوں بڑھتے جائیں گے، حجاب کی بندشیں تیز تر ہوتی جائیں گی، اور نہ صرف مصرحہ حدود ہی پر عمل ہوگا بلکہ غیر مصرّحہ قیود جو اصول کے تحت ہوں، حسبِ ضرورت وقت یکے بعد دیگرے بڑھتی جائیں گی اور پردے کا پورا نظام مع اپنی تمام جزئیاتی حدود کے نافذ العمل ہو جائے گا ورنہ اسی نسبت سے گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔ محرم سامنے ہو تو اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا۔ اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی۔ اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی۔ فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا۔ غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

پردہ کی علّت کے معیار سے تین نقطہ ہائے نظر

بہرحال پردہ کا یہ نظام جس کی شرعی تفصیلات پیش کی گئیں اپنے جزو کل میں اسی علّتِ فحش کے تابع ہے۔ خود بذاتہ مقصود نہیں۔ اس لیے نہ تو اس کے بارہ میں یہ ہی رویہ معقول ہوگا کہ اس سارے نظام کو بذاتہ مقصود سمجھ کر اس کی ایک ایک جزئی کو ہر عورت کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں لازم العمل سمجھا جائے اور اس میں ذرا بھی تجزیہ سے کام لے کر عورت کے کسی بھی طبقہ کے بارے میں کوئی بھی گنجائش نکالی جائے تو اسے پردہ شکنی کے مترادف قرار دیا جائے۔ گویا رواج کو اصل ٹھہرا کر اس کے معیار سے پردہ اور بے پردگی کا فیصلہ کیا جائے اور نہ یہی رویہ قابلِ قبول یا معقول ہوگا کہ بے پردگی کو مقصود سمجھ کر فحش کار قوموں کی نقالی میں پردہ کے سارے نظام شرعی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے اور پردہ شکنی کو خود ایک موضوع زندگی بنا کر اس کی ترویج کی سعی کی جائے۔

معتدل راہ یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتی ہے کہ حجابِ نسواں ایک مکمل نظام شرعی ہے جو مختلف الانواع حجابات پر مشتمل ہے اور یہ سارا نظام اپنے جزو کل میں اپنی علّت کے تابع ہے جسے فحش کہتے ہیں، جہاں یہ علّت پائی جائے گی اور جتنی پائی جائے گی اسی حد تک نظام حجاب کی جزئیات زیر عمل آتی رہیں گی اور جس حد تک مرتفع ہوتی رہیگی اسی حد تک اس نظام کی کڑیاں ڈھیلی پڑتی رہیں گی۔

پس اسلام میں حجاب بھی ہے اور رفع حجاب بھی ہے نہ یہی کہا جا سکتا ہے

کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے۔ لہٰذا موجودہ دورِ بے حیائی کو اس کی حمایت حاصل ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔ لہٰذا یہ تنگ دستندر رواج کو اس کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ وہ اس افراط و تفریط کی یک رُخی راہوں سے درمیان اپنی ایک معتدل اور مستقل راہ اور اس کے تحت ایک مستقل قانونی نظام رکھتا ہے۔ جس میں اشخاص احوال اور ادوار و اوقات کی ہر جہتی رعائتیں موجود ہیں جو اس کی جامعیت اور ہر دَور میں اس کے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کی محکم دلیلیں ہیں۔

پس جو لوگ اسلام کو اس بارہ میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو اشخاص کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے ہنگامی تقاضوں سے قائم ہوتے ہوں۔ حجابِ شرعی سمجھ رہے ہیں۔

حالانکہ وہ تنگی نظامِ حجاب کی نہیں، بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔ جیسا کہ بعض متقشف اور بندگانِ رواج حرمینِ شریفین تک میں اپنی عورتوں کو برقعہ کے باوجود مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ کی حاضری اور طواف و زیارت سے روکتے اور محروم رکھتے ہیں اور اسی کو شرعی پردہ اور خود کو پیکرِ تقوےٰ خیال کر لیتے ہیں۔ گویا ترکِ فرائض و واجبات بھی ان کے یہاں پردہ کا ایک جزو ہے۔ معاذ اللہ۔

مگر یہ تنگی اسلام کی نہیں بلکہ ان کی آنکھ کی ہے۔ جیسا کہ حدیث لا تمنعوا النساء مساجد المساجد (اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو) وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ادھر جو لوگ پردہ کے سسٹم ہی کو اسلامی اصول کے مخالف کہہ کر اپنی بہو بیٹیوں

[illegible]

ارزاں اور خوبصورت دینی کتب

آداب النبی (صلعم)	از	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
شہیدِ کربلا اور یزید		مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ
فلسفۂ نماز		〃
کلمۂ طیبہ مع کلمات طیبات		〃
علم غیب		〃
اعجاز القرآن		شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی
اسلام کے بنیادی عقائد		〃
مجموعہ رسائل ثلثہ		〃
العقل والنقل		〃
مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ		مولانا مناظر احسن گیلانی
حیاتِ خضر		مولانا سید میاں اصغر حسین
معارف گنگوہی		ملفوظات مولانا رشید احمد گنگوہی
اسلامی آداب		مولانا عاشق الٰہی صاحب
فضائل استغفار		مولانا اشرف علی تھانوی
اسلام میں مشورہ کی اہمیت		مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحب

ملنے کا پتہ: اِدارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

ادارہ اسلامیات

پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور

فون ۷۳۲۴۴۱۲ ـ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

لاہور ــــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان

فون ــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ــــ موہن روڈ

چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat@lcci.org.pk

web site: http:\\www.lcci.org.pk\islamiat